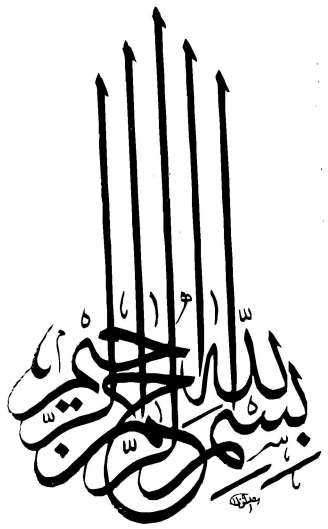

اقبال

وجودِ زن اور تصویرِ کائنات

2

ڈاکٹر بصیرہ عنبرین

مادرِ مہربان

محترمہ خدیجہ حفیظ

کے نام

فہرست

○ پیش لفظ ۹

حصہ اول:

اقبال، وجودِ زن اور عقدۂ مشکل کی کشود ۱۷

حصہ دوم:

اقبال، حقوقِ نسواں اور تصویرِ کائنات ۶۱

○ کتابیات ۱۱۱

5

پیش لفظ

علامہ اقبال نے جہاں زندگی کے مختلف پہلوؤں پر اظہار خیال کیا، وہیں مسئلہ زن کو بھی سمجھنے اور سلجھانے کی کوشش کی۔ اقبال کے ہاں عورت کا ایک جمالیاتی و رومانی تصور بھی ملتا ہے اور وہ عورت کی ذہنی و ادرا کی قابلیتوں اور صلاحیتوں کے بھی معترف ہیں۔ اقبال طبقۂ زن کو ملت اسلامیہ کا ایک اہم ستون گردانتے ہیں اور مقام زن کو فرائض امومت کی انجام دہی میں پنہاں سمجھتے ہیں۔ علامہ اہمیتِ نسواں سے بخوبی آگاہ ہیں اور عورت کو اس کے مقام سے روشناس کراتے ہوئے ان کی نظر محض فرائض نسواں پر نہیں رہتی بل کہ وہ حقوقِ نسواں کے داعی بھی ہیں۔ اس ضمن میں اقبال کے تمام تر

شعری ونثری تحریری سرمایے سے ظاہر ہے کہ وہ مسلم خواتین کو اس امر سے آشنا کراتے ہیں کہ عورت بحیثیت فرد مسلم ملت کی اصلاح و فلاح میں کس طرح اہم کردار ادا کرسکتی ہے۔ اقبال نے عورت کو اس احساس سے بھی ہم کنار کیا کہ اسے بچوں کی تعلیم و تربیت کے ساتھ ساتھ اپنی ذات سے متعلق ان حقوق سے آگاہی ہونی چاہیے جو اسلام نے تو اسے دیئے ہیں لیکن جن کا ہندوستان کے رواجی وسماجی قوانین نے حلیہ بگاڑ دیا ہے۔ اقبال سمجھتے ہیں کہ اگر عورت اپنے حقوق و فرائض کے سلسلے میں اسلامی و شرعی اصول و ضوابط کو پیش نظر رکھے تو کوئی شک نہیں کہ وہ مسلم معاشرے کے استحکام، خودداری اور احساسِ ذمے داری میں اضافے کا سبب نہ بنے۔

بظاہر شعروفکر اقبال میں عورت کا تصور ان کے دیگر تصورات کے مقابلے میں قدرے ادھورا اور بکھرا ہوا معلوم ہوتا ہے لیکن اگر اس سلسلے میں علامہ کے پیش کردہ تمام تر شعری و نثری نکات کو مربوط کر کے دیکھا جائے تو ایک مکمل تصویر بنتی ہے اور اس ''عقدۂ مشکل'' کی کشود ہوتی نظر آتی ہے__ ایک ایسی تصویر جس میں عورت سے وابستہ تمام تر رومانی و جمالیاتی، عقلی و استدلالی اور سماجی وتہذیبی پہلوؤں نے بڑی خوب صورتی سے رنگ بھرے ہیں__ حقیقت یہ ہے کہ فکر اقبال میں عورت سے متعلق تصورات علامہ کے دیگر مباحث کی طرح تدریجی صورت رکھتے ہیں۔ آغازِ شاعری میں ان کے کلام میں عورت کا ایک رومانی و جمالیاتی تصور ملتا ہے جس کی بُنت وتعمیر داغ دہلوی اور امیر مینائی کے رنگ تغزل کے ساتھ ساتھ مغرب کے رومانی شعرا سے اثرات جذب کرنے کے نتیجے میں ہوئی۔ رفتہ رفتہ اسی جمالیاتی و رومانی پیکر میں جذباتی ونفسیاتی اور ذہنی وعقلی پہلوؤں کی شمولیت ہوجاتی ہے اور ان کے ہاں بعض تعلیم یافتہ خواتین کے درک و تدبر سے اثر پذیری کا اظہار ہونے لگتا ہے۔ دوسرا زاویہ وہ ہے جس کے تحت علامہ اپنے مخصوص ملّی تصور کے آئینے میں عورت کے تصور میں نیا رنگ بھرتے ہیں اور اسے اس

کے فرائض کے تناظر میں دیکھتے ہوئے فریضۂ اُمومت اور تربیتِ اَطفال کی اہمیت سے آشنا کراتے ہیں۔ اس سلسلے میں اقبال نے زیادہ تر ممتاز مسلم خواتین کی مثالیں دیتے ہوئے عورت کی عظمت سے باخبر کیا ہے۔

کلامِ اقبال میں تصورِ نسواں کے ضمن میں متذکرہ دونوں پہلوؤں پر عمدہ شعر پارے ملتے ہیں اور عمومی طور پر اقبال کے تصورِ زن پر گفت گو کرتے ہوئے انھیں دو حوالوں سے بات کی جاتی ہے ___ یاد رہے کہ فکرِ اقبال میں تصورِ زن کے ضمن میں ایک تیسرا زاویہ بھی ہے، جو حقوقِ نسواں سے عبارت ہے لیکن اس کی تفہیم شاعری کے بجائے اقبال کی نثر یا ان کی عملی زندگی کے بعض واقعات سے ہوسکتی ہے۔ یہ ان کے تصورِ زن کا وہ پہلو ہے جس کے تحت صنفی مسائل زیرِ بحث آئے ہیں اور عہدِ موجود میں اس سے رہ نمائی لی جاسکتی ہے۔ یہاں عورت کی پہچان ایک ''فرد'' کے طور پر ہوئی ہے اور یہ شعور دلایا گیا ہے کہ عورت کو بچوں کی تعلیم و تربیت کے ساتھ ساتھ اپنی ذات سے متعلق حقوق سے آگاہی ہونی چاہیے۔ اس سلسلے میں موثر صورت یہ ہے کہ خود عورت کو چاہیے کہ وہ اپنے خاندان اور معاشرے کو اپنے حقوق سے بھرپور انداز میں باخبر کرائے۔

اقبال نے ۱۹۲۹ء میں انجمنِ خواتین اسلام، مدراس کی درخواست پر ''شریعتِ اسلام میں مرد اور عورت کا رشتہ'' کے عنوان سے تقریر کی جس میں بھرپور انداز میں وضاحت کی کہ اسلامی تاریخ میں عورت فریضۂ امومت و تربیت کی انجام دہی کے ساتھ ساتھ معاشرتی سطح پر بھی فعال رہی ہے۔ اس سلسلے میں اقبال قرونِ اولیٰ کی فعال مسلم خواتین کی مثالیں پیش کرتے ہیں اور وضاحت کرتے ہیں کہ اگر عورت اپنے حقوق کو اسلامی و شرعی قوانین کی روشنی میں سمجھ پائے تو وہ مسلم معاشرے کی خود داری اور احساس ذمے داری میں اضافے کا باعث بن سکتی ہے کیوں کہ فرائض سے قطع نظر مساوات کے تناظر میں مرد و عورت میں فرق نہیں۔ اسی وجہ سے اقبال عملاً عورتوں کی تعلیم کے قائل رہے

اور اس بات پر زور دیتے نظر آتے ہیں کہ مرد کی تعلیم فردِ واحد کی تعلیم ہے جب کہ عورت کو تعلیم دینا پورے خاندان کو تعلیم دینے کے مترادف ہے۔ اقبال عورت کی سیاسی بصیرت پر بھی اعتماد کرتے ہیں اور اس کے ووٹ کی اہمیت سے آگاہ ہیں۔ چناں چہ انھوں نے آل انڈیا مسلم لیگ کے جنرل سیکرٹری کی حیثیت سے نہرو رپورٹ کے متعلق ۲۰/ اگست ۱۹۲۸ء کو ایسوسی ایٹڈ پریس میں افسوس کے ساتھ یہ بیان دیا کہ مسلمان عورتیں غیر مسلموں کے مقابلے میں غیر تعلیم یافتہ اور زیادہ قدامت پسند ہیں اور ان کے لیے عرصۂ دراز تک پولنگ اسٹیشن پر ووٹ کے لیے جانا محال ہے۔ ظاہر ہے کہ وہ سمجھتے تھے کہ اس سے مسلمانوں کی نشستوں کو سخت نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہے۔

حیاتِ اقبال کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ اقبال نے عملاً بھی مسلم خواتین کی تعلیم و تربیت کے لیے مختلف اداروں کے قیام کو سراہا۔ انھوں نے لڑکیوں کے حقوق کے لیے بغیر کسی فیس کے مقدمات بھی لڑے، نیز خود خواتین کو عورتوں کی تعلیم و تربیت کے حوالے سے ترغیب دلائی، مثال کے طور پر پیسہ اخبار کے ایڈیٹر اور مالک مولوی محبوب عالم کی بیٹی فاطمہ بیگم کو جب اس نوعیت کے کاموں میں مشکلات پیش آئیں تو ان کی حوصلہ افزائی فرمائی۔

حقوقِ نسواں کی ذیل میں اقبال نے عورتوں کی شادی، طلاق اور وراثت سے متعلق حقوق سے بحث کی۔ خصوصاً خانگی اور سماجی زندگی میں عورت کو جن حقوق سے محروم رکھا جاتا ہے، اس پر تاسف کا اظہار کیا۔ علاوہ ازیں عورت سے متعلق وراثت کے معاملات، حقِ طلاق، نکاح میں رضامندی یا پسند کی شادی، چھوٹی عمر کی شادی، تعددِ ازدواج وغیرہ جیسے ان مسائل کو چھیڑا جن کے حوالے سے جائز حقوق نہ ملنے پر بقول اقبال عورت سراپا احتجاج بن جاتی ہے۔ اقبال سمجھتے ہیں کہ عورت کو اس کے حقوق نہ ملنے کی ایک بڑی وجہ خود عورت ہے اور اس کا قصور یہ ہے کہ اس نے کبھی ان حقوق کو جاننے

کی کوشش نہیں کی جو دینِ اسلام نے اسے دیئے ہیں۔ مزید یہ کہ اپنی جہالت کے باعث وہ شریعت کے اصولوں کو ''آزادیِ نسواں'' اور ''حقوقِ نسواں'' سے متصادم سمجھنے لگی ہے۔ اقبال کے خیال میں عورت کے شرعی حقوق سے محرومی میں ہندوستان کے رواجی و سماجی ضابطوں کو بہت دخل ہے۔ وہ توجہ دلاتے ہیں کہ اچھی اچھی عدالتوں میں یہ کہہ دیا جاتا ہے کہ ہم رواج کے پابند ہیں، شریعت کے نہیں اور یوں بیٹیوں کو جائیداد تک میں حصہ نہیں دیا جاتا۔ اقبال واضح کرتے ہیں کہ مذہب اسلام نے بحیثیت انسان کسی طرح سے عورت کو مرد سے ادنیٰ درجے پر نہیں رکھا۔ یہ مسئلہ شعور کی کمی سے پیدا ہوتا ہے کیوں کہ خود عورت اپنے حقوق سے نا آشنا ہے۔ اسی لیے وہ عورتوں سے شکوہ کرتے ہوئے یہ کہتے نظر آتے ہیں کہ قرآن پاک میں آپ عورتوں کو بہت سے حقوق دیئے گئے ہیں لیکن اگر عورتیں خود ان حقوق کے لیے اصرار نہ کریں تو اس میں سرتاسر ان کا اپنا قصور ہے۔

اس اعتبار سے دیکھا جائے تو اقبال کے ہاں حقوقِ نسواں سے متعلق یہ تیسرا زاویہ بہت اہم ہے جو ایک طرف صنفی مسائل کا حل پیش کرتا ہے تو دوسری طرف مطالعہ اقبال میں اسے نظرانداز کرنے سے علامہ کی ایک اہم اصطلاح (یعنی ''فرد'' کی اصطلاح) یک سطحی اور قدرے ادھوری ٹھہرتی ہے کیوں کہ مردوں کے لیے تو محض ''مردِ مومن'' کی اصطلاح ہی کافی ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں ہونا چاہیے کہ اقبال کے کلیدی تصورات عورت کے لیے بھی ہیں۔ عورت اگر امومت و تربیت اور حفظِ نسوانیت کے فرائض عالیہ کی انجام دہی کے ساتھ ساتھ اپنے علم و شعور کے باعث مختلف شعبہ ہائے زندگی میں نمایاں مقام بناتی ہے تو یہ عین خودی اور عشق کے فیضان سے حاصل ہونے والے خصائص ہیں__ جیسا کہ خود اقبال نے طبقۂ نسواں میں سے دین و دانش اور تحرک و علمیت سے ہم آہنگ خواتین کو مسلم عورتوں کے لیے سراپا مثال قرار دیا کیوں کہ اقبال کا بنیادی

مقصد ہی فرد اور معاشرے کی اصلاح و فلاح تھا۔ چناں چہ انھوں نے احترام و تربیت نسواں کے ساتھ ساتھ عورت کے صنفی مسائل پر بھی بات کی اور تمام تر دینی و سماجی اور مشرقی تقاضوں کو سامنے رکھتے ہوئے عورت کے مرتبے کی وضاحت کی__ یوں دیکھیں تو افکار و کلامِ اقبال سے مسلم معاشرے کا کم و بیش نصف حصہ محروم نظر نہیں آتا اور اگر اقبال کی پیش کردہ سمت کی روشنی میں تربیتِ نسواں کی جائے تو مسلم معاشرے میں سماجی سطح پر قابل اور ذہین خواتین کے استحصال کی بیخ کنی ممکن ہے۔

دل چسپ امر یہ ہے کہ ناقدین اقبال نے علامہ کے ہاں عورت کے تصور کی پیش کش کرتے ہوئے زیادہ تر فرائض نسواں سے بحث کی ہے۔ عورت کے حوالے سے ہمارے معاشرے کا عمومی رویہ بھی یہی رہا ہے کہ اس کے فرائض (جو ظاہر ہے کہ خاندان کے ساتھ ساتھ معاشرتی و ملّی استحکام میں کلیدی کردار ادا کرتے ہیں) پر تو شد و مد سے بحثیں کی جاتی ہیں لیکن جہاں کہیں اس کے حقوق کا ذکر چھیڑا جائے تو ایسے مسائل پر مبنی استفسارات کو یا تو اخلاقی زوال اور معاشرتی بگاڑ کے ساتھ منسلک کر کے اس کے حقوق کی رواجی و سماجی تعبیرات فراہم کر دی جاتی ہیں یا پھر مغربی طرزِ معاشرت پر استوار تانیثی تحریک کا قالب دے کر حقوقِ نسواں پر مبنی اس کے سوالات کو لاینحل چھوڑ دیا جاتا ہے۔ یوں کہیں کہ عورت کے حقوق پر مبنی تمام تر استفسارات کا حلیہ بگاڑ کر عملاً اسے اپنے حقوق سے دور تر کر دیا جاتا ہے۔ ان حالات میں اسلامی بالخصوص پاکستانی معاشرے میں عورت کا تصور دو انتہاؤں میں گھر کر رہ گیا ہے۔ حال آں کہ پاکستانی خواتین کی ایک بڑی تعداد ان دونوں انتہاؤں سے ہٹ کر اپنے ان حقوق سے آگاہی اور ان پر عمل درآمد چاہتی ہے جو خود دین اسلام نے اسے دیئے ہیں۔ پاکستانی معاشرے کے منظرنامے پر نظر دوڑائیں تو آج پاکستانی تعلیم یافتہ خواتین کی کثیر تعداد مختلف شعبہ ہائے زیست سے متعلق ہے اور اپنے نجی و خانگی امور کی انجام دہی کے ساتھ

ساتھ بحیثیت ''فرد'' اپنی ذمے داریاں احسن انداز میں ادا کررہی ہے۔ یہ کہنے میں تامل نہیں ہونا چاہیے کہ بہت سے شعبوں میں پاکستانی خواتین نے کارہائے نمایاں سرانجام دیئے ہیں اوراسلامی معاشرتی نظام پر استوار اس ملک میں بہت سے فعال نسائی کردار نظر آتے ہیں جو سماجی و معاشرتی تقاضوں کو نبھاتے ہوئے ملکی ترقی میں پیش پیش ہیں۔ اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ اسلامی نظریاتی اساس پر استوار ہمارے ملک میں زندگی کے بہت سے شعبے اپنی نوعیت کے اعتبار سے ایسے ہیں جو عورت ہی کے فعال کردار کا تقاضا کرتے ہیں اور یہ عورت کی پردہ داری کے نقطہ نظر سے ضروری بھی ہے، مثلاً طب، تدریس اور قانون کے شعبوں میں عورت کی شمولیت سے کِسے انکار ہوسکتا ہے ؟اسی طرح سیاسی سطح پر عورت پر مبنی کم و بیش نصف حصے کی آبادی کے ووٹ کی اہمیت کو نظر انداز کرکے ملک میں مستحکم سیاسی ڈھانچہ کیونکر قائم ہوسکتا ہے؟اس سلسلے میں اکہتر برس پیچھے چلے جائیں تو خود قیام پاکستان کی مثال ہمارے سامنے ہے۔

اس تصنیف کے پس منظر میں یہی فکر کارفرما ہے کہ آج کی مسلمان عورت (خصوصا پاکستانی عورت) بہ حیثیت ''فرد'' فکریات اقبال سے کس طرح رہ نمائی لے سکتی ہے۔ یوں افکارِ اقبال کے تناظر میں تصورِنسواں کو حقوق وفرائض دونوں کے اتصال کی صورت میں سامنے لانے کی کوشش کی گئی ہے۔ اقبال نے ہر ''فرد'' کو ملت کے مقدر کا ستارہ قرار دیا اور اسی اہمیت کے پیش نظر ''فرد'' کی اصطلاح بھی وضع کی۔ افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ آج پاکستانی خواتین کی ایک بڑی تعداد اخلاقی ضابطوں کی پابندی کرتے ہوئے زندگی کے مختلف شعبوں میں بہ حیثیت فرد فعال کردار ادا کررہی ہے لیکن ان کی تمام تر خدمات کے باوجود یہی سمجھا جاتا ہے کہ یہ ذمے داری اختیاری ہے اور ان کے فرائض میں شامل نہیں۔ ظاہر ہے کہ ایسی سوچ ہمارے معاشرتی نظام میں دو طرفہ خدمات انجام دینے والی خواتین پر گراں گزرتی ہے اور ان کے ذہن میں بہت سے

سوال جنم لیتے ہیں۔ یاد رہنا چاہیے کہ عورت بھی بہ حیثیت ''فرد'' اپنے اغراض ومقاصد کی ترتیب وتشکیل میں علامہ کے ان کلیدی تصورات یعنی خودی ،عشق اور فقر وغیرہ سے یکساں طور پر مستفیض ہوسکتی ہے جو انھوں نے فرد کی صلاحیتوں کے نشو وارتقا کی خاطر پیش کیے کیوں کہ ان تصورات پر ایک صحت مند معاشرے کی بنیاد رکھی جاسکتی ہے۔ یہ مختصر کتاب فکریات اقبال کے آئینے میں فرائض وحقوقِ نسواں سے آگاہی کی ایک کاوش کے طور پر پیش ہے۔ خلاصہ کلام کے طور پر ''فاطمہ بنتِ عبداللہ'' سے ایک بند دیکھیے جو حقوقِ نسواں کی ذیل میں اقبال کے حقیقی جذبات کا آئینہ دار ہے اور کہہ سکتے ہیں کہ یہ تصورِنسواں کی ذیل میں علامہ کی بصیرت کا دل کش اظہار بھی ہے:

ہے کوئی ہنگامہ تیری تُربتِ خاموش میں
پل رہی ہے ایک قومِ تازہ اس آغوش میں
بے خبر ہوں گرچہ اُن کی وسعتِ مقصد سے میں
آفرینش دیکھتا ہوں اُن کی اِس مرقد سے میں
تازہ انجم کا فضائے آسماں میں ہے ظہور
دیدۂ انساں سے نامحرم ہے جن کی موجِ نور
جو ابھی اُبھرے ہیں ظلمت خانۂ ایّام سے
جن کی ضو نا آشنا ہے قیدِ صبح و شام سے
جن کی تابانی میں اندازِ کہن بھی، نَو بھی ہے
اور تیرے کوکبِ تقدیر کا پرتو بھی ہے

پروفیسرڈاکٹر بصیرہ عنبرین
شعبہ اردو

۲۷ستمبر ۲۰۱۸ء

پنجاب یونیورسٹی اورینٹل کالج
لاہور

9

اقبال، وجودِ زن اور عقدۂ مشکل کی کشود

علامہ اقبال بنیادی طور پر ایک ایسے مفکر ہیں جن کی نظر ہر شعبۂ زندگی پر رہی۔ اقبال کی شاعری تو حکمت و فلسفے کا ایک دل کش اظہار ہے ہی لیکن ان کی نثری نگارشات جن میں ان کی گفت گوئیں اور بیانات، تقاریر و مقالات اور مکاتیب و شذرات کے علاوہ **علم الاقتصاد**، **تشکیل جدید الٰہیات اسلامیہ** (The Reconstruction of Religious thought in Islam) اور **ایران میں فلسفۂ الٰہیات کا ارتقا** (The Development of Metaphysics in Persia) جیسی نادر کتب شامل ہیں، اس حوالے سے اہم ہیں۔ نیز سوانحی حوالے سے اقبال کی شخصیت پر رقم کی گئی متعدد تصانیف

سے یہ ثابت ہے کہ ان کا تمام تر تحریری سرمایہ تفکر و تفلسف پر مبنی ہے اور یقیناً ان نثر پاروں سے مختلف ابعادِ زیست کے ضمن میں ان کی مفکرانہ شان کا سراغ ملتا ہے۔ اقبال اس اعتبار سے ممتاز ہیں کہ انھوں نے اپنے پیش روؤں یا معاصرین کے برعکس اپنی تخلیقی صلاحیتوں کا اظہار ایک مربوط اور باضابطہ نظامِ فکر پیش کرتے ہوئے کیا۔ انھوں نے انسانی حیات سے وابستہ مختلف اُمور پر اظہارِ خیال فرمایا اور خصوصیت کے ساتھ اپنی شاعری میں فرد کی ذات، انسانی حیات اور جملہ اُمورِ حیات پر عالمانہ و فلسفیانہ نگاہ ڈالی جو اس سے قبل ایسی صورت میں مطلق دکھائی نہیں دیتی ___ نتیجتاً ہر طبقۂ زندگی کے لیے ان کی فکریات سے استفاضے کے امکانات موجود ہیں۔

اقبال نے فکری سطح پر جہاں تخلیقِ مقاصد، تشکیلِ خودی اور استحکامِ ملت کے سلسلے میں اسلام اور مسلمان، تعلیم و تربیت، ادبیات و فنونِ لطیفہ اور سیاسیات مشرق و مغرب جیسے اہم اور حساس موضوعات پر قابلِ قدر فکری سرمایہ پیش کیا وہاں عورت کے تصور اور اسلامی معاشرے میں اس کے مقام اور مرتبے کے ضمن میں بھی ان کے ہاں موثر اشارات موجود ہیں۔ یہ موضوع ان کے نظامِ فکر کی ایک اہم کڑی ہے اور خود ان کے مطابق یہ مسئلہ خاصا پیچیدہ ہے جسے معاشرتی، روایتی اور سماجی ڈھانچوں نے مزید الجھا دیا ہے۔ اقبال کے شعری و نثری سرمایۂ تحریر سے ظاہر ہے کہ عورت کائنات کی روح و رواں ہونے کے باعث اہمیت رکھتی ہے اور اسی سبب سے مختلف مذاہب میں اس کے وجود کو تسلیم کیا گیا، یہ الگ بات ہے کہ مختلف معاشرتی و سماجی روایات کے تحت اس کے حوالے سے مذہبی تعبیرات میں ردّوبدل کیا جاتا رہا اور یوں بہت سے اختلافات پر مبنی پہلو بھی سامنے آئے۔ علامہ نسلِ انسانی کی بقا عورت کے وجود میں مضمر گردانتے ہیں چناں چہ ان کے ہاں عورت کی عظمت کا احساس خاصا قوی محسوس ہوتا ہے۔ یہ بات معلوم ہے کہ فکرِ انسانی کا سرچشمہ قرآن حکیم ہے اور اقبال کے کلام و افکار میں دیگر فکری

مضامین کی طرح ان کا پیش کردہ تصورِ نسواں بھی اسی کتابِ حکمت سے اخذ شدہ ہے جسے انھوں نے ہندوستان کے سیاسی و سماجی ڈھانچے کی روشنی میں پرکھنے کی کوشش کی ہے۔ اقبال، کتابِ مبین کی روشنی میں عورت کو اس کے حقوق و فرائض کا احساس دلاتے ہیں اور عصرِ حاضر میں معاشرے میں در آنے والی تبدیلیوں کے اُس کی ذات پر مرتسم ہونے والے مثبت و منفی اثرات سے عورت کو باخبر کرتے ہیں۔ وہ عورت کو ملتِ اسلامیہ کے ایک کلیدی نمائندے کی حیثیت سے دیکھتے ہیں جس پر افرادِ قوم کی اصلاح وفلاح منحصر ہے اور اسی تناظر میں انھوں نے اسے اپنا مقام و مرتبہ پہچاننے کی تلقین کی ہے۔ اقبال کے ہاں عورت کی عظمت و اہمیت کا احساس ان کی متعدد تحریروں سے ہوتا ہے۔ یہاں اُن کی ایک تقریر بہ عنوان: ''شریعتِ اسلام میں مرد اور عورت کا رتبہ'' سے ایک اقتباس درج کیا جاتا ہے، جو انھوں نے انجمن مسلم خواتین، مدراس کے سپاس نامے کے جواب میں ۱۹۲۹ء میں پیش کی، اقبال نے کہا:

''.....میرا یہ عقیدہ رہا ہے کہ کسی قوم کی بہترین روایات کا تحفظ بہت حد تک اس قوم کی عورتیں ہی کر سکتی ہیں۔ اس کے علاوہ اور بھی وجوہ ہیں جن کی بنا پر میں آپ کے ایڈریس کو قدر کی نگاہ سے دیکھتا ہوں۔ اگرچہ انحطاط کے دور میں عورت کے حقوق سے بے پروائی ہوئی، مسلمان مردوں نے مسلمان عورتوں سے تغافل برتا لیکن عورت باوجود اس تغافل کے اپنا منصب پورا کرتی رہی۔ کوئی شخص ایسا نہ ہوگا جو اپنی ماں کی تربیت کے اثرات اپنی طبیعت میں نہ پاتا ہو یا بہنوں کی محبت اس کے دل پر اپنا نشان نہ چھوڑتی ہو۔ وہ خوش نصیب شوہر، جن کو نیک بیویاں ملی ہیں، خوب جانتے ہیں کہ عورت کی ذات مرد کی زندگی کے ارتقا میں کس حد تک مدد و معاون ہے.....''(۱)

اقبال استحکام معاشرت میں عورت کی اہمیت کے قائل تھے اور خاندان میں بچی کی ولادت کو باعثِ سعادت گردانتے تھے۔ اس ضمن میں حیاتِ اقبال سے کافی اشارات ملتے ہیں، مثلاً سرراس مسعود کے ہاں بیٹی کی پیدائش پر انھوں نے کچھ اشعار کہے جن میں سرسید کی تحسین وستائش کے ساتھ ساتھ ایک شعر یہ بھی ہے:

خاندان میں ایک لڑکی کا وجود
باعثِ برکاتِ لامحدود ہے(۲)

یا پھر ضربِ کلیم کا وہ معروف قطعہ دیکھیے جہاں انھوں نے نہایت حکیمانہ اور بصیرت افروز پیرایے میں عورت کو خراجِ عقیدت پیش کیا ہے:

وجودِ زن سے ہے تصویرِ کائنات میں رنگ
اسی کے ساز سے ہے زندگی کا سوزِ دروں
شرف میں بڑھ کے ثریّا سے مشتِ خاک اس کی
کہ ہر شرف ہے اُسی دُرج کا دُرِ مکنوں!
مکالماتِ فلاطوں نہ لکھ سکی لیکن
اسی کے شعلے سے ٹوٹا شرارِ افلاطوں!(۳)

اسی طرح رموزِ بے خودی میں تحسینی پیرایے میں عورت کے مقام و مرتبے کی وضاحت یوں کی ہے:

نغمہ خیز از زخمۂ زن سازِ مرد
از نیازِ او دوبالا نازِ مرد
پوششِ عریانیِ مرداں زن است
حُسنِ دلجو عشق را پیراہن است

عشقِ حق پروردۂ آغوشِ اُو
ایں نوا از زخمۂ خاموشِ او
آنکہ نازد بر وجودش کائنات
ذکرِ اُو فرمود با طیب و صلوٰۃ(۴)

(عورت کے وجود کے زخمے ہی سے مرد کی ہستی کے ساز میں عمل کے نغمے پھوٹتے ہیں۔ اس کی نیاز مندی مرد کے ناز کو دوچند کرتی ہے۔ عورت، مرد کے لیے بہترین لباس ہے اور اس کا دل کو لُبھانے والا حسن، مرد کے عشق کے لیے پیرہن کی حیثیت رکھتا ہے۔ حق تعالیٰ کا عشق بھی عورت کی آغوش میں پرورش پاتا ہے اور حق کا نغمہ اسی کے خاموش زخمے سے پیدا ہوتا ہے۔ یہ عورت ہی ہے جس کے وجود پر کائنات فخر کرتی ہے اور جس کا ذکر نبی پاک ﷺ نے خوش بو اور نماز کے ہمراہ کیا۔)

بہ ظاہر شعر و فکرِ اقبال میں عورت کا تصور ان کے دیگر نظریات کے مقابلے میں قدرے ادھورا اور بکھرا ہوا دکھائی دیتا ہے تاہم اگر اس ضمن میں علامہ کے پیش کردہ تمام تر شعری و نثری اشارات و نکات کو مرتب صورت میں یک جا کیا جائے تو ایک مکمل تصویر بنتی ہے اور اس 'عقدۂ مشکل کی کشود' ہوتی نظر آتی ہے ___ ایک ایسی تصویر جس میں عورت سے وابستہ تمام تر رومانی و جمالیاتی، عقلی و استدلالی اور سماجی و تہذیبی پہلوؤں نے بڑی خوب صورتی سے رنگ بھرے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ فکرِ اقبال میں عورت سے متعلق تصورات ان کے دیگر مباحث فکر ہی کی طرح تدریجی صورت رکھتے ہیں۔ آغازِ شاعری میں علامہ کے ہاں روایتی شعرا کے مخصوص تصورِ زن کی روشنی میں عورت کا ایک رومانی و جمالیاتی تصور ملتا ہے جہاں وہ داغ اور امیر مینائی کے رنگِ تغزل کے علاوہ

مغربی رومانی شعرا کے تتبع میں عورت کا ایک تاثر آفریں جمالیاتی پیکر ترتیب دیتے ہیں۔ رفتہ رفتہ اس تصور میں عورت کے جذباتی و نفسیاتی اور ذہنی و عقلی پہلوؤں کی شمولیت ہوتی ہے اور اب ان کے ہاں بعض تعلیم یافتہ خواتین کے درک و تدبر سے اثر پذیری جھلکنے لگتی ہے۔ یوں اس پہلی سطح پر عورت کا ایک جمالی و ذہنی پیکر مکمل ہو جاتا ہے جب کہ دوسری سطح نسبتاً زیادہ گہرائی کی حامل ہے اور اسے بہت حد تک ان کے مرکزی و کلیدی نقطۂ نظر سے عبارت کیا جا سکتا ہے۔ یہ وہ صورت ہے جہاں وہ عورت کا تصور امومت کے حوالے سے قائم کرتے ہیں اور اس سلسلے میں ماں کی عظمت اور کردار پر روشنی ڈالنے کے ساتھ ساتھ بہ طور خاص تاریخ مسلم سے اطفال کی اعلیٰ تعلیم و تربیت پر مبنی نمایاں مثالیں پیش کرنے والی ماؤں کی نظائر فراہم کرتے ہیں۔ اس مقام پر فکرِ اقبال میں عورت رومانی و ذہنی سطح سے یک سر اوپر اٹھ کر معاشرے کے ایک اہم ستون کی حیثیت سے اپنی پہچان کراتی ہے ___ بہ غور دیکھیں تو پہلا نکتہ اہمیتِ نسواں پر مبنی ہے اور دوسرا فرائضِ نسواں کا احاطہ کرتا ہے اور علامہ نے اسی پر اکتفا نہیں کیا بل کہ حقوقِ نسواں پر مبنی ایک تیسری صورت بھی ترتیب دی ہے جس کی وضاحت وہ ہندوستان کے مذہبی، سماجی اور سیاسی و تہذیبی احوال کے آئینے میں کرتے ہیں اور اس کے ابلاغ و افہام کے لیے زیادہ تر تلقینی و توضیحی اسلوب اختیار کرتے ہیں۔ یہاں عورت کی پہچان ایک 'فرد' کے طور پر ہوتی ہے اور اس تصور کی رو سے ان کے مطابق عورت کو بچوں کی تعلیم و تہذیب موثر طور پر کرنے کے علاوہ اپنی ذات سے متعلق حقوق کا شعور ہونا چاہیے بل کہ اپنے خاندان اور معاشرے کو بھرپور انداز میں اس سے باخبر کرانا چاہیے۔

اقبال سمجھتے ہیں کہ اگر عورت اپنے حقوق کو اسلامی و شرعی قوانین کی روشنی میں سمجھ پائے تو وہ مسلم معاشرے کی خودداری اور احساس ذمے داری میں اضافے کا باعث بن سکتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ تاریخ مسلم میں بہت سی ذمے دار اور فعال مسلم خواتین کا

تذکرہ نمایاں طور پر ملتا ہے، جو یقیناً ہر دور کی مسلم خواتین کے لیے مثالی حیثیت رکھتی ہیں۔ اقبال ایسے مثالی تاریخی کرداروں کی وساطت سے اپنے اس موقف کی توضیح و تصریح کرتے ہوئے موثر شعر پارے تخلیق کرتے ہیں۔ اس ضمن میں نثری حوالے سے ۷ر جنوری ۱۹۲۹ء کو انجمنِ خواتین اسلام، مدراس کے استقبالیے کے دوران میں کی گئی علامہ کی گفت گو بہت کلیدی ہے جس میں انھوں نے وضاحت کی کہ عورت اسلامی تاریخ میں فریضۂ امومت و تربیت انجام دینے کے ساتھ ساتھ معاشرتی سطح پر بھی فعال رہی۔ مسلم خواتین اپنی نسوانی حیا کو برقرار رکھتے ہوئے نہ صرف جہاد میں شریک رہیں بل کہ اپنی علمیت و ذہانت کو بہ روئے کار لاتے ہوئے مختلف مدارس میں درس دیتیں، فتوے صادر کرتیں ___ حتیٰ کہ انتخاب کے وقت اپنی جداگانہ آواز رکھتی تھیں ___ یوں فکریات اقبال میں وجودِ زن کے ضمن میں قائم کردہ اس تیسرے نکتے کی تفہیم، اقبال ہی کی ایک اہم شعری اصطلاح ''فرد'' سے بہ خوبی ہوسکتی ہے جس میں مرد اور عورت دونوں ہی شامل ہیں اور جس کے مطابق ہر مرد نہیں بل کہ: ''ہر فرد ہے ملت کے مقدر کا ستارہ!'' ___ البتہ یہ امر واقعی ہے کہ اقبال کے ہاں تصورِ زن کے اس پہلو کو قدرے نظرانداز کیا گیا حال آں کہ عہدِ موجود کی صورت حال، ضروریات اور تقاضوں کے پیشِ نظر اور تانیثی حوالے سے بعض نئے نظریات و تحریکات کی موجودگی میں اس تیسرے نظرانداز کیے گئے نقطۂ نظر کو نمایاں کرنے کی ضرورت محسوس ہوتی ہے ___ یہ کہنے میں کوئی باک نہیں کہ سماجی و معاشرتی سطح پر عورت کے مقام و مرتبے کا فکرِ اقبال کی روشنی میں تعین کرتے ہوئے زیادہ تر ان کے ایسے اشعار نمایاں کر دیے جاتے ہیں جن سے اشتباہ ہوتا ہے کہ شاید مسئلہ زن کو علامہ نے اپنے دیگر تصورات کے مقابلے میں درخورِ اعتنا نہیں سمجھا، یا محض سرسری نگاہ سے دیکھا اور پرکھا، مثلاً:

اس بحث کا کچھ فیصلہ میں کر نہیں سکتا

گو خوب سمجھتا ہوں کہ یہ زہر ہے، وہ قند
کیا فائدہ کچھ کہہ کے بنوں اور بھی معتوب
پہلے ہی خفا مجھ سے ہیں تہذیب کے فرزند!(۵)

فکریاتِ اقبال میں عورت کی ذہنی و نفسیاتی ساخت اور اس کے حقوق و فرائض کی روشنی میں تشکیل پانے والے تصورِ زن کے ضمن میں اجمالاً بیان کردہ ان تینوں پہلوؤں کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے اقبال کے ہاں عورت کے تصور کو بعض متنوع اور قابلِ فہم جہتوں میں تقسیم کر کے قدرے تدریجی انداز میں بیان کیا جا سکتا ہے۔ چناں چہ اس اصول کے تحت اولاً فکر اقبال میں عورت کے رومانی و جمالیاتی تصور کی نمود دیکھی جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ اقبال آغازِ شاعری ہی سے عورت کے ظاہری و باطنی حُسن پر تفکر کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ اس سلسلے میں ان کا بانگِ درا کے دورِ اول کا غیر مطبوعہ متروکہ کلام ثبوت کے طور پر دیکھا جا سکتا ہے جہاں وہ متفرق مقامات پر تو اس حوالے سے غوروخوض کرتے ہی ہیں لیکن ایک نظم ''عورت'' میں فطرت کے مختلف مظاہر کے اشتراک سے اس کے وجود کی تخلیق کی طرف خصوصیت کے ساتھ رومانی اشارات بہم پہنچاتے ہیں ___ یہاں چاند، گھاس، سانپ، بید مجنوں، خوش نما بیلوں، طاؤس، گلِ کہسار، دیدۂ آہوئے چیں، نورِ خورشید، ابر، صبا، خرگوش، چیتے، برف، الماس، طوطی گلزار، قمری اور بلبل وغیرہ جیسے فطری عناصر کے ساتھ جب عورت کا ذکر ہوتا ہے تو وہ ان عناصر فطرت سے متعلق خصوصیات کو عورت کے داخلی و خارجی حسن میں دخیل محسوس کرتے ہیں۔ اقبال لکھتے ہیں:

گندھ گندھا کر یہ مصالحہ جب اکٹھا ہو گیا
دستِ قدرت نے بنایا ایک ڈھانچا نور کا

آگ کا جوبن ہوا ،اور نور کی صورت بنی
شکل عورت کی بنی، کیا موہنی مورت بنی(۶)

یوں عورت کا ایک ایسا تصور ان کے ہاں ابتدا ہی سے نظر آتا ہے جس میں ستائشی پہلو غالب رہا۔

بانگِ درا کے دوسرے دور میں 'حسن و عشق'، '.....کی گود میں بلّی دیکھ کر'، 'کلی'، 'وصال' اور 'سلیمیٰ' جیسی منظومات میں یا پھر اسی مجموعے کے دورِ اول کی غزلیات میں اقبال نے خاصا روایتی و اکتسابی رنگ جمایا ہے۔ یہاں عورت کا رومان پرور تصور بھرپور شعری آہنگ کے ساتھ ترتیب پاتا ہے، مثلاً یہاں چند غزلیہ شعر دیکھیے:

بھرم بزم میں اپنے عاشق کو تاڑا
تری آنکھ مستی میں ہشیار کی تھی(۷)

چھپتی نہیں ہے یہ نگہِ شوق، ہم نشیں!
پھر اور کس طرح انھیں دیکھا کرے کوئی (۸)

ستم ہو کہ ہو وعدۂ بے حجابی
کوئی بات صبر آزما چاہتا ہوں(۹)

منظومات میں یہ جمالی و تاثراتی رنگ تقویت پکڑ گیا ہے، مثلاً 'حسن و عشق' میں وہ عورت کو حاصل زیست قرار دیتے ہوئے خالصتاً ایک رومانی شاعر کے سے لب و لہجے میں گویا ہوتے ہیں:

تو جو محفل ہے، تو ہنگامۂ محفل ہوں مَیں

حُسن کی برق ہے تو، عشق کا حاصل ہوں مَیں
تو سحر ہے، تو مرے اشک ہیں شبنم تیری
شامِ غربت ہوں اگر مَیں، تو شفق تو میری
مرے دل میں تری زلفوں کی پریشانی ہے
تری تصویر سے پیدا مری حیرانی ہے
حُسن کامل ہَے ترا، عشق ہے کامل میرا
ہے مرے باغِ سخن کے لیے تُو بادِ بہار
میرے بیتاب تخیّل کو دیا تو نے قرار
جب سے آباد ترا عشق ہوا سینے میں
نئے جوہر ہوئے پیدا مرے آئینے میں
حُسن سے عشق کی فطرت کو ہے تحریکِ کمال
تجھ سے سرسبز ہوئے میری امیدوں کے نہال
قافلہ ہو گیا آسودۂ منزل میرا(۱۰)

نظم '۔۔۔کی گود میں بلّی دیکھ کر' میں بڑے جمالیاتی اسلوب میں بلّی کی 'دزدیدہ نگاہی' میں آغازِ محبت کی رمز کو محسوس کیا گیا ہے۔ یہاں وہ اس کی مختلف اداؤں کا ذکر کرتے ہیں اور عاشق کی نفسیات کے ہمراہ عورت کا ایک جمالیاتی پیکر سامنے آتا ہے:

دیکھتی ہے کبھی ان کو، کبھی شرماتی ہے
کبھی اٹھتی ہے، کبھی لیٹ کے سو جاتی ہے
آنکھ تیری صفتِ آئنہ حیران ہے کیا؟

نُورِ آگاہی سے روشن تری پہچان ہے کیا؟
مارتی ہے انھیں پونچھوں سے، عجب ناز ہے یہ!
چڑھ ہے یا غصّہ ہے؟ یا پیار کا انداز ہے یہ؟
شوخ تُو ہو گی، تو گودی سے اُتاریں گے تجھے
گر گیا پھول جو سینے کا تو ماریں گے تجھے
کیا تجسّس ہے تجھے؟ کس کی تمنّائی ہے؟
آہ! کیا تو بھی اسی چیز کی سودائی ہے؟(۱۱)

'کلی' نام کی نظم میں سحر کے عارضِ رنگیں دکھانے پر کلی اپنا سینۂ زرّیں کھول دیتی ہے اور صبح کے مَے خانے میں جلوہ آشام ہو جاتی ہے۔ اس کی زندگی چوں کہ خورشید ہی کے پیمانے میں ہے، لہٰذا مہر کے سامنے اپنا دل چیر کر رکھ دیتی ہے اور یوں گویا سینہ شگافی کے مزے لیتی ہے___ اقبال اس فطری منظرنامے کی جھلک دکھا کر خود اپنے خورشید (محبوب) کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں اور ان کے قلم سے یہ رومانی شعر پارے تخلیق ہوتے ہیں جو سرتا سر عورت کے رومانی و جمالیاتی وجود کا اثبات کراتے ہیں:

مرے خورشید! کبھی تُو بھی اٹھا اپنی نقاب
بہرِ نظارہ تڑپتی ہے نگاہِ بیتاب
تیرے جلوہ کا نشیمن ہو مرے سینے میں
عکس آباد ہو تیرا مرے آئینے میں
زندگی ہو ترا نظارہ مرے دل کے لیے
روشنی ہو تری گہوارہ مرے دل کے لیے
ذرّہ ذرّہ ہو مرا پھر طرب اندوزِ حیات

ہو عیاں جوہرِ اندیشہ میں پھر سوزِ حیات
اپنے خورشید کا نظارہ کروں دور سے میں
صفتِ غنچہ ہم آغوش رہوں نور سے میں
جانِ مضطر کی حقیقت کو نمایاں کر دوں
دل کے پوشیدہ خیالوں کو بھی عریاں کر دوں(۱۲)

دوسرے دور ہی کی نظم 'وصال' سے چند شعر ملاحظہ کیجیے جہاں اسی جمالی پیکر کی نمود استعاراتی زبان میں ہوتی ہے:

جستجو جس گل کی تڑپاتی تھی اے بلبل مجھے
خوبیِ قسمت سے آخر مل گیا وہ گل مجھے
خود تڑپتا تھا، چمن والوں کو تڑپاتا تھا مَیں
تجھ کو جب رنگیں نوا پاتا تھا، شرماتا تھا مَیں
میرے پہلو میں دلِ مضطر نہ تھا، سیماب تھا
// // // // //
ارتکابِ جُرمِ الفت کے لیے بیتاب تھا
// // // // //
ضو سے اس کی خورشید کی اختر مرا تابندہ ہے
چاندنی جس کے غبارِ راہ سے شرمندہ ہے
یک نظر کردی و آدابِ فنا آموختی
اے خنک روزے کہ خاشاکِ مرا واسوختی(۱۳)

اسی ذیل میں ایک شعر نظم 'سلیمیٰ' کا بھی دیکھیے جس میں خاصے جان دار

اسلوب میں کائنات کی مختلف اشیا میں حُسنِ مطلق کی متنوع جھلکیاں دکھانے کے بعد، سلیمیٰ کی نگاہوں میں انتہاے حُسن کو محسوس کرایا گیا ہے___ یوں گویا عورت مرکزِ کائنات ٹھہرتی ہے:

ہر شے میں ہے نمایاں یوں تو جمال اس کا
آنکھوں میں ہے سلیمیٰ! تیری کمال اس کا (۱۴)

نثری حوالے سے اس انداز کی جھلک کم و بیش اسی دور میں اقبال کی اپنی جرمن اُستاد ایماویگے ناسٹ اور معروف ہندوستانی اسکالر عطیہ فیضی کے نام مکاتیب میں ملتی ہے۔ چند اقتباسات ان خطوط سے ملاحظہ ہوں جو اقبال کے ہاں عورت کا ایک رومانی و جمالیاتی تصور تو ترتیب دیتے ہی ہیں مگر اس کے ساتھ ساتھ اس کا ایک عقلی و استدلالی پیکر بھی تشکیل دیتے ہیں۔ ایماویگے ناسٹ کے نام مراسلوں میں عورت سے وابستہ جذباتی و رومانی احساسات یوں سپردِ قلم ہوئے ہیں:

''میں اُس وقت تک آپ کو نہیں لکھوں گا، جب تک آپ مجھے وہ خط نہیں بھیجتیں، جو آپ نے پھاڑ ڈالا ہے۔ یہ بڑی بے رحمی ہے۔ آپ ہائیڈل برگ (Heidelberg) میں تو ایسی نہیں تھیں۔ شاید ہائیل برون (Heilbronn) کی آب و ہوا نے آپ کو بے مہر بنا دیا ہے.....'' (۱۵)

''میں زیادہ لکھ یا کہہ نہیں سکتا۔ آپ تصور کر سکتی ہیں کہ میرے باطن میں کیا ہے۔ میری بہت بڑی خواہش ہے کہ میں دوبارہ آپ سے بات کر سکوں اور آپ کو دیکھ سکوں___ لیکن میں نہیں جانتا کہ کیا کروں۔ جو شخص آپ سے دوستی کر چکا ہو۔ اس کے لیے ممکن نہیں کہ

آپ کے بغیر وہ جی سکے.....'' (۱۶)

''.....دونوں تصویریں بڑی خوب صورت ہیں اور وہ ہمیشہ میرے مطالعے کے کمرے میں میری میز پر رہیں گی، لیکن یہ مت باور کیجیے کہ وہ صرف کاغذ ہی پر نقش ہیں بل کہ وہ میرے (دل) میں بھی جا پذیر ہیں اور مدام رہیں گی.....شاید میرے لیے یہ ممکن نہ ہوگا کہ میں دوبارہ آپ کو دیکھ پاؤں .....لیکن میں یہ ضرور تسلیم کرتا ہوں کہ آپ میری زندگی میں ایک حقیقی قوت بن چکی ہیں.....'' (۱۷)

''.....میں ہمیشہ آپ کے بارے میں سوچتا رہتا ہوں اور میرا دل ہمیشہ بڑے خوب صورت خیالوں سے معمور رہتا ہے! ایک شرارے سے ایک شعلہ اٹھتا ہے اور ایک شعلے سے ایک بڑا الاؤ روشن ہو جاتا ہے! لیکن آپ سرد مہر ہیں، غفلت شعار ہیں۔ آپ جو جی میں آئے کیجیے۔ میں بالکل کچھ نہ کہوں گا اور ہمیشہ صابر و شاکر رہوں گا.....'' (۱۸)

''.....بے رحم نہ بنیے۔ پلیز، جلد خط لکھیے اور تمام احوال بتائیے۔ میرا جسم یہاں ہے، میرے خیالات جرمنی میں ہیں۔ آج کل بہار کا موسم ہے لیکن میرا دل غمگین ہے۔ مجھے کچھ سطریں لکھیے اور آپ کا خط میری بہار ہوگا۔ میرے دلِ غمگین میں آپ کے لیے بڑے خوب صورت

خیالات کا لامتناہی سلسلہ ہے۔ یہ ہیں، آپ کے لیے میری تمنائیں!!.....''(۱۹)

''.....مت بھولیے گا کہ اگرچہ کئی ملک اور سمندر ہمیں ایک دوسرے سے جدا کریں گے، پھر بھی ہمارے درمیان ایک غیر مرئی رشتہ قائم رہے گا۔ میرے خیالات ایک مقناطیسی قوت کے ساتھ آپ کی طرف دوڑیں گے اور اس بندھن کو مضبوط بنائیں گے..... یاد رکھیے گا کہ آپ کا ایک سچا دوست ہے، اگرچہ وہ فاصلۂ دراز پر ہے۔ جب دل ایک دوسرے کے قریب ہوں، تو فاصلہ کچھ معنی نہیں رکھتا.....''(۲۰)

''میں اپنی ساری جرمن زبان بھول گیا ہوں لیکن مجھے صرف ایک لفظ یاد ہے.....ایما.....''(۲۱)

''میں بے تابی سے اُس وقت کا منتظر ہوں، جب میں دوبارہ آپ کے وطن میں آپ سے مل سکوں گا.....بعض اوقات میں خود کو بالکل تنہا محسوس کرتا ہو اور میرے دل میں یورپ اور بالخصوص جرمنی کو دوبارہ دیکھنے کی بڑی آرزو پیدا ہو جاتی ہے۔ براہ کرم مجھے اپنے دل میں اور اپنی یادوں میں ایک چھوٹی سی جگہ دیجیے گا.....''(۲۲)

''.....مجھے امید ہے کہ آپ کو بھی وہ پُرمسرت ایّام یاد ہوں گے، جب ہم روحانی طور سے ایک دوسرے کے اس قدر قریب تھے اور مَیں

محسوس کرتا ہوں کہ ہم اب بھی ایک دوسرے کے قریب ہیں.....''(۲۳)

عطیہ فیضی کے نام خطوط میں اقبال اپنے ذہنی انقلابات پر تبادلۂ خیالات کرتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔ یہاں عورت کا تصور ایک پختہ اور روشن دماغ فرد کے طور پر قائم ہوا ہے اور ان مکاتیب سے علامہ کے نزدیک ایک تعلیم یافتہ عورت کے مقام کی وضاحت ہوتی ہے جو گھرداری اور فرائض امومت و تربیت انجام دینے کے ساتھ ذہنی طور پر اتنی پختگی رکھتی ہے کہ مختلف مسائل و موضوعات پر درک و تفہم کر سکے۔ عطیہ فیضی کے نام مکاتیب سے اقبال کا عورت کے حوالے سے قائم کردہ یہ تصور بخوبی واضح ہوتا ہے۔ یہاں علامہ اپنی ذاتی و قلبی ہیجانات پر نفسیاتی رہ نمائی لیتے ہوئے نظر آتے ہیں، مختلف مسائل ذاتی پر گفت گو کرتے ہیں، اپنی شاعری کے حوالے سے نقطۂ نظر کی وضاحت کرتے ہیں، انھیں اپنی نثری تحریروں اور شعری منصوبوں سے آگاہ کرتے ہیں، انھیں نظمیں بھیجتے اور ان پر تبصروں کے خواست گار دکھائی دیتے ہیں___ علاوہ ازیں یہ بھی حقیقت ہے کہ اقبال کی زندگی میں آنے والے ایک بحرانی دور میں عطیہ فیضی سے ان کی مراسلت نے ایک مثبت انجام کی صورت اختیار کی۔ اقبال ان سے بھرپور مکالمہ کرتے ہیں، مثلاً ایک خط سے اقتباس دیکھیے:

''.....ایک انسان ہونے کے ناتے میرا بھی خوشی پر حق ہے۔ اگر سوسائٹی یا نیچر مجھے اس سے محروم کرتے ہیں تو میں ان دونوں کے خلاف علم بغاوت بلند کرتا ہوں۔ واحد علاج یہی ہے کہ میں اس بدبخت ملک کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے خیرباد کہہ دوں یا شراب میں پناہ ڈھونڈوں جو خودکشی کو آسان تر بنا دیتی ہے۔ یہ کتابوں کے مردہ بنجر ورق خوشی نہیں دے سکتے۔ میری روح میں اتنی آگ ہے کہ ان کے

ساتھ تمام سماجی رسوم و رواج کو بھی جلا کر خاک کر دوں۔ آپ کہیں گی ایک رؤف الرحیم خدا نے یہ سب کچھ پیدا کیا۔ ہوسکتا ہے مگر اس زندگی کے حقائق ایک مختلف نتیجے کی طرف رہ نمائی کرتے ہیں۔ عقلی طور پر ایک رحمٰن و رحیم خدا سے زیادہ ایک ابدی قادرِ مطلق شیطان پر ایمان لانا زیادہ آسان ہے۔ مجھے ان کلمات کے لیے معاف کیجیے۔ میں ہم دردی کا خواست گار نہیں۔ میں تو صرف اپنی روح کو سبک بار کرنا چاہتا تھا۔ آپ میرے متعلق سب کچھ جانتی ہیں اور اسی لیے میں نے اپنے احساسات کو معرضِ تحریر میں لانے کی جرأت کی ہے۔ یہ ایک اعتماد ہے.....'' (۲۴)

چناں چہ عطیہ فیضی اس قبیل کے خطوط کے جواب میں علامہ کی ذہنی خلشوں کو دُور کرنے کی کوشش کرتی دکھائی دیتی ہیں اور ایسے مقام پر ان کی بھرپور ذہانت و فطانت کو ملحوظ رکھتے ہوئے ایک ماہر نفسیات کی طرح ان کی ذہنی رفاقت کا فریضہ انجام دیتی ہیں، ایک جگہ وہ خود اس جانب اشارہ کرتے ہوئے لکھتی ہیں:

''.....اقبال کا ۹/اپریل ۱۹۰۹ء کا خط ایسا تھا جو ہم دردانہ سلوک اور احتیاط آمیز برتاؤ کا مقتضی تھا۔ میں نے اُسے اس کی بدنصیبی پر اظہارِ اضطراب کا خط لکھا۔ مزید میں نے اُسے اس قنوطیت کے آگے سپرانداز ہونے پر جو اُس کے خط سے مترشح تھی، تھڑدِلے پن کا مجرم ٹھہرایا۔ میں نے یہ ذکر بھی کیا تھا کہ اگر میں ذاتی طور پر اس سے مل سکتی تو ان چھوٹی چھوٹی مصیبتوں پر، جو انسانیت کا مشترکہ ورثہ ہیں، قابو نہ پا سکنے پر اُس کی حماقت کی نشان دہی کرتی اور بتاتی کہ صرف وہ لوگ ہی ایسا طریقِ کار جس کا اُس نے اظہار کیا ہے، اختیار کرتے

ہیں جو کم خود کفیل ہوں۔ میں نے تجویز کیا کہ وہ عبدالقادر سے ملے جو ہمارے قیام کے دوران لندن میں تھے اور ہم سے ملتے اور یونیورسٹی میں ہماری تعلیمات سے متعلق مختلف معاملات پر بحث کرتے تھے۔ میرا خیال تھا کہ اس سے اقبال کی توجہ اپنے قنوطی رویے سے ہٹ جائے گی اور اس پر اس کی مزعومہ بدنصیبی کا تسلط ٹوٹ جائے گا۔ میں نے اس کے دماغ کو موجودہ حالات سے دُور ہٹانے کے لیے فراوَ پروفیسر اور مس ویگے ناسٹ کا حوالہ دیا، جن کا وہ بہت دل دادہ تھا کیوں کہ وہ فاضل فلسفہ بھی تھیں اور اس کی استاد بھی۔ میں نے اقبال سے اپنے لیے ایک اُستانی تلاش کرنے کے لیے بھی کہا تھا۔ وہ اس مدرسۃ البنات کے لیے مطلوب تھی جو میں جنجیرہ میں چلانے کی سعی کر رہی تھی۔ ان تمام باتوں نے اس کی توجہ اس بات سے ہٹانے میں مدد دی۔ میں کافی حد تک اپنی کوشش میں کامیاب رہی، جیسا کہ اُس کے ۱۷/اپریل ۱۹۰۹ء کے خط سے ظاہر ہے.....'' (۲۵)

اسی ضمن میں حیاتِ اقبال میں ایسے واقعات دکھائی دیتے ہیں کہ علامہ ذہین اور تعلیم یافتہ خواتین کے مقام و مرتبے کو سراہتے ہیں، ان سے مختلف معاملات و موضوعات پر گفت گوئیں کرتے ہیں یا ان کی معیت میں مختلف مقامات کی سیاحت کرتے ہیں۔ جیسا کہ علامہ کے ۲۲/نومبر ۱۹۳۱ء کو روم کی سیاحت کے دوران دیئے گئے مختلف بیانات سے ظاہر ہے۔ یہ سفر انھوں نے اٹلی کی 'رائل اکیڈیمی' کے ایما پر اختیار کیا اور انھی کی طرف سے پروفیسر اپرسٹا کو (روم کی یونیورسٹی میں فلسفے کے پروفیسر) اور ہندوستان میں اٹلی کے قونصل جنرل اور علامہ کے دوست ڈاکٹر سکارپا کے ہمراہ انجام پایا۔ اس دوران میں ''۲۲/نومبر کو تین بجے اقبال ایک قابل و فاضل اطالوی خاتون سے

ملنے گئے۔ شام کو ایک بہت بڑے اطالوی بینکر کی بیوی ملنے کے لیے تشریف لائیں، جو وسطِ ایشیا کے مختلف حصوں کی سیاحت کر چکی تھیں اور واپسی کے وقت ہندوستان سے گزرتے ہوئے لاہور میں لالہ ہرکشن لال کے مکان پر چند گھنٹے کے لیے ٹھہری تھیں۔ اس خاتون کے ساتھ زیادہ تر وسطِ ایشیا اور بالشویک روس کے متعلق گفت گو ہوتی رہی۔'' (۲۶) اسی سفر کے دوران میں ۲۴ر نومبر کو جب بعض پرانے مقامات کی سیاحت کا پروگرام بنا تو بھی ایک جرمن خاتون ساتھ تھی، جو برما اور ہندوستان کی سیر کر چکی تھی۔ انھیں انگریزی پر عبور تھا اور کچھ دنوں کے لیے یہاں رہائش پذیر تھیں۔ علاوہ ازیں **انقلاب** ہی میں چھپنے والی ایک تحریر (بہ تاریخ ۲۸ر نومبر ۱۹۳۱ء) سے یہ ظاہر ہے کہ اقبال نے اس دوران میں جن اجلاس میں خطاب کیا، وہاں مردوں کے ساتھ ساتھ خواتین کی ایک بڑی تعداد بھی موجود رہی جن میں لیڈی ارون، لیڈی ریڈنگ، لیڈی منٹو اور مسز سروجنی نائیڈو وغیرہ شامل تھیں (۲۷) اسی طرح اقبال مدراس مسلم ایسوسی ایشن کی فرمائش پر جنوری ۱۹۱۹ء کے اوائل میں مدراس تشریف لے گئے تو وہاں کی مصروفیات کی روئداد (جو ڈاکٹر عبداللہ چغتائی نے 'ہم سفر' کے فرضی نام سے **انقلاب** میں چھپوائی) سے پتا چلتا ہے کہ اقبال خوش ذوق اور ذہین خواتین کی صحبت پسند کرتے تھے، مثلاً **انقلاب** کو اس حوالے سے ارسال کیے گئے ۵ر جنوری ۱۹۲۹ء کے ایک مراسلے (جو ۱۱ر جنوری ۱۹۲۹ء کو چھپا) سے معلوم ہوتا ہے کہ سیٹھ ہاشم اسماعیل کی اہلیہ سے جو خاصی تعلیم یافتہ تھیں اور سینئر کیمبرج کے بعد جرمنی سے دو سال علم طب کی تحصیل کر چکی تھیں، علامہ کی ملاقات ہوئی اور ان کی کتاب پر انھوں نے اپنا ایک شعر بھی لکھا۔ اسی سفر کے دوران میں ''مدراس کے ایک معزز گھرانے کی ایک تعلیم یافتہ اور ذوقِ ادب سے بہرہ ور خاتون جنھوں نے علامہ کے انتظار میں لاہور ہی میں خط لکھے تھے، مدراس سے ایک اسٹیشن پہلے ہی یعنی باسن برج کے اسٹیشن پر اپنے والد معظم کی معیت میں گاڑی میں استقبال کو

آ گئی تھی۔'' (۲۸) اسی سلسلے میں اقبال کا ۲۱ر ستمبر ۱۹۳۱ء کو 'ملوجا' جہاز سے اپنے ایک دوست کے نام بھیجا گیا خط بھی اہم ہے جو **انقلاب** ہی میں ۱۵ر اکتوبر ۱۹۳۱ء کو چھپا۔ اس میں ستائشی اسلوب میں لکھتے ہیں:

> ''.....ایک مصری کرنل کی لڑکی بھی ملنے کے لیے آئی۔ یہ ہمارے جہاز میں انگلستان جا رہی ہے، تاکہ علم نباتات کے مطالعے کی تکمیل کرے۔ پہلے چار برس وہاں رہ کر آئی ہے۔ انگریزی خوب بولتی ہے۔ عام طور پر اہل مصر فرانسیسی لہجے میں انگریزی بولتے ہیں، اس لڑکی کا لہجہ بالکل انگریزی تھا.....'' (۲۹)

حیاتِ اقبال سے متعلق متذکرہ واقعات اور اقبال کے پیش کردہ کلام سے اس امر کی تصدیق ہوتی ہے کہ علامہ کے ہاں وجودِ زن سے متعلق پہلا نمایاں زاویہ عورت کے ایک جمالیاتی و ذہنی اور تاثراتی اور عقلی و استدلالی تصور کے ساتھ وابستہ ہے جہاں عورت کائنات کا ایک اہم عنصر ٹھہرتی ہے اور اس کی تمام تر رنگینیوں اور رعنائیوں کا باعث ہے۔ جب کہ عورت کے تصور کے ضمن میں دوسرا زاویہ امومت سے وابستہ ہے جسے انھوں نے نسبتاً زیادہ اہمیت دی اور جو اصلاً فرائض نسواں سے منسلک ہے۔ علامہ اسے بہت اہم گردانتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ عورت کائنات کی روح رواں اسی سبب سے ہے کہ وہ ایسے گراں قدر فریضے انجام دیتی ہے جو اُسی کا خاصہ ہیں۔ یہ ذمے داریاں وہ بہ حیثیت ماں نبھاتی ہے اور تربیتِ اطفال کے تمام تر مراحل سے اُسے قرآن وسنت کی روشنی میں بہ طریقِ احسن گزرنا چاہیے۔ اقبال خیال کرتے ہیں کہ امومت اور تربیتِ اطفال عورت کی زندگی کا حاصل ہے جو درحقیقت حیاتِ انسانی ہی کی بقا و تربیت ہے۔ ماں کی گود بچے کی اولین درس گاہ ہے، اس لیے عورت کو امومت کے منصب سے

کسی طور پر گریز نہیں کرنا چاہیے۔ اسے لذّتِ تخلیق سے آشنا رہنا چاہیے اور اس راہ میں اپنی ذات سے وابستہ ترقی کو قربان کر دینا چاہیے۔ یقیناً اُس کا ایسا کرنا انائے ذات کو مجموعی انسانیت کی خودی کے سامنے فروتر گردانا ہے، جو اُسی کے بطن سے جنم لیتی ہے۔ ماں کے قدموں تلے اسی لیے جنت ہے کہ وہ اپنی ذات کو پسِ پشت رکھ کر بچے کی نگہ داری کرتی ہے، جبھی تو اقبال نے اپنی کتاب **علم الاقتصاد** کے پہلے باب میں ''علم الاقتصاد کی ماہیئت اور اس کا طریق تحقیق'' کے زیرِ عنوان لکھا کہ:

> ''.....اُس ماں کی خدمات بھی دائرۂ علمِ اقتصاد سے خارج ہیں جو اپنے بیمار بچے کی حفاظت میں بعض دفعہ جان بھی دے دیتی ہے کیوں کہ اس کی بنا ذاتی تاثرات یا محبت پر ہے.....''(۳۰)

چناں چہ اقبال کی نثر ہو یا شاعری وہ عورت کو اس کی ان ذمے داریوں کا احساس دلاتے ہیں۔ اس سلسلے میں ان کے بیانات بڑے دوٹوک ہیں، مثلاً **روزگارِ فقیر** سے ایک حصہ دیکھیے جہاں علامہ عہدِ حاضر کے تقاضوں میں عورت کو اپنا اولین منصب اور فریضہ پہچاننے کی تلقین یوں کرتے ہیں:

> ''.....عورت پر قدرت نے اتنی اہم ذمے داریاں عائد کر رکھی ہیں کہ اگر وہ ان سے پوری طرح عہدہ برآ ہونے کی کوشش کرے تو اُسے کسی دوسرے کام کی فرصت ہی نہیں مل سکتی۔ اگر اُسے اس کے اصلی فرائض سے ہٹا کر ایسے کاموں پر لگایا جائے جنھیں مرد انجام دے سکتا ہے تو یہ طریقِ کار یقیناً غلط ہوگا، مثلاً عورت کو جس کا اصل کام آئندہ نسل کی تربیت ہے، ٹائپسٹ یا کلرک بنا دینا نہ صرف قانونِ فطرت کی خلاف ورزی ہے بل کہ انسانی معاشرے کو درہم برہم کرنے کی افسوس ناک

کوشش ہے۔''(۳۱)

یہی وجہ ہے کہ جہاں وہ عورت کا یہ جدید روپ دیکھتے، ان کے خیالات منتشر ہو کر رہ جاتے۔ **روزگارِ فقیر** ہی میں فقیر سید وحیدالدین نے اس ضمن میں ایک واقعے کا ذکر کیا ہے کہ قیامِ لندن کے دوران اقبال نے سیلز گرل سے جرابیں دکھانے کو کہا، وہ لڑکی تیزی سے سامان لینے گئی۔ واپس آئی تو اقبال پر استغراق کا عالم تھا، پوچھنے لگے: تم یہاں کس لیے کھڑی ہو؟ وہ آب دیدہ ہو کر بولی کہ گھر کی آمدنی قلیل ہے، اس میں اضافے کے لیے مجبوراً نوکری کر رہی ہوں___ بعدازاں اقبال کے دوست سید امجد علی نے اقبال سے پوچھا کہ آپ نے آخر یہ سوال کیوں کیا، تو جواباً گویا ہوئے:

> ''اس خاتون کو تو کسی گھر کی روشنی بننا تھا۔ اولاد کی صحیح تربیت کا فرض انجام دینا تھا۔ اس کی تخلیق کا مقصد بازار کی رونق بن کر جرابیں فروخت کرنا تو نہیں تھا۔''(۳۲)

اقبال آغاز ہی سے بچیوں کی ان خطوط پر تہذیب و تربیت کے قائل تھے اور اس ضمن میں اس زمانے میں برعظیم میں کی جانے والی کاوشوں اور تحریری سرمایے کو قدر کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ یہاں اقبال کا ایک بیان درج کیا جاتا ہے، جو انھوں نے خواجہ حسن نظامی کی کتاب: **خانہ داری کا پہلا حصہ یعنی میاں اور بیوی کی تعلیم** پر ایک خط میں تحریر کیا، لکھتے ہیں:

> ''.....رسالہ بیوی کی تعلیم جو حال میں آپ کے قلم سے نکلا ہے، نہایت دل چسپ اور مفید ہے.....لڑکیوں کو اس سے بے حد فائدہ پہنچے گا۔ میں نے بھی یہ رسالہ گھر میں پڑھنے کے لیے دے دیا ہے۔ مسلمان لڑکیوں کو خواجہ بانو کا شکر گزار ہونا چاہیے کہ ان کی تحریک سے ایسا مفید

رسالہ لکھا گیا۔''(۳۳)

شعری حوالے سے بھی اقبال بارہا اس نقطۂ نظر کی ترسیل کرتے ہیں۔اس حوالے سے تخصیص کے ساتھ **رموزِ بے خودی** میں ''درمعنی این کہ بقاے نوع ازامومت است و حفظ و احترام امومت اسلام است'' کے زیرعنوان مرقوم حصے میں انھوں نے یہ موقف اختیار کیا ہے کہ 'امومت' رحمت ہے کہ اسے نبوت کے ساتھ نسبت ہے۔جس طرح پیغمبر اپنی قوم کے لیے شفیق ہوتا ہے اسی طرح ماں بڑی محبت سے اقوام کی صورت گری کرتی ہے۔اس کی پیشانی پر ہماری تقدیر مرقوم ہے اور اس کے فریضۂ امومت بہ طریقِ احسن انجام دینے سے ملّتیں بے شمار خصائص کی حامل قرار پاتی ہیں۔ اقبال لکھتے ہیں:

نیک اگر بینی امومت رحمت است
زانکہ او را با نبوّت نسبت است
شفقتِ او شفقتِ پیغمبر است
سیرتِ اقوام را صورتگر است
از امومت پختہ تر تعمیرِ ما
در خطِ سیمائے او تقدیرِ ما
ہست اگر فرہنگِ تو معنی رسے
حرفِ اُمت نکتہ ہا دارد بسے
گفت آں مقصودِ حرفِ کُنْ فکاں
زیرِ پائے اُمّہات آمد جناں

ملّت از تکریمِ ارحام است و بس
ورنہ کارِ زندگی خام است و بس
از امومت گرم رفتارِ حیات
از امومت کشفِ اسرارِ حیات
از امومت پیچ و تابِ جوے ما
موج و گرداب و حبابِ جوے ما(۳۴)

(اگر تو بغور دیکھے تو جان لے گا کہ امومت سرتاسر رحمت ہے، اسی لیے اسے نبوت سے نسبت ہے۔ ماں کی محبت پیغمبر کی شفقت کے مصداق ہے۔ جذبۂ امومت قوموں کی سیرت کی صورت گری کرتا ہے ۔ امومت ہی سے ہمارا وجود قائم و دائم ہے اور ہماری حیثیت استحکام پاتی ہے۔ ماں کی پیشانی کی لکیروں میں ہماری تقدیریں پنہاں ہے۔ اگر تیری عقل وفہم کی رسائی ہو سکے تو لفظ 'امت' پر غور کر، تو دیکھیے گا کہ اس لفظ میں کئی رمزیں پوشیدہ ہیں۔اسی لیے باعثِ تخلیق کائنات ﷺ نے فرمایا کہ جنت ماؤں کے قدموں تلے ہے۔ملت ماؤں ہی کی عزت وتکریم کے نتیجے میں قائم ودائم ہے، بہ صورتِ دیگر زندگی کے تمام امور بودے اور ناکام ہیں۔زندگی جذبۂ امومت کے باعث رواں دواں ہے اور زندگی کے تمام تر بھیدوں کا انکشاف امومت میں مضمر ہے۔ امومت ہی سے ہماری زندگی کی ندی میں حرکت وحرارت ہے، اسی سے ملت کی ندی میں موجیں، گرداب اور بلبلے ہیں، یعنی زندگی کی تمام تر روانی ہے۔)

اقبال کے نزدیک عورت کے لیے فریضۂ امومت کی انجام دہی بے حد ضروری ہے اور وہ طبقۂ نسواں کو اپنے نقطۂ نظر سے روشناس کرانے کے لیے اپنے محبوب اندازِ شعر یعنی تقابلی رنگ میں اصلاحی شعر رقم کرنے کی طرف بھی توجہ دیتے ہیں۔ رموزِ بے خودی میں علامہ نے ایک بدوضع، جاہل اور گنوار عورت کو اُس جدید تعلیم یافتہ عورت پر ترجیح دی ہے، جو تمام تر حسن و زیبائش، تراش خراش اور جدت و علمیت کے باوصف بچوں کی تہذیب و تربیت سے گریزاں ہے، لکھتے ہیں:

آں دُخِ رستاق زادے جاہلے
پست بالائے سطبرے بد گلے
نا تراشے، پرورش نا دادۂ
کم نگاہے، کم زبانے، سادۂ
دل ز آلامِ امومت کردہ خوں
گردِ چشمش حلقہ ہائے نیلگوں
ملّت ار گیرد ز آغوشش بدست
یک مسلمانِ غیورِ حق پرست
ہستیِ ما محکم از آلامِ اوست
صبحِ ما عالم فروز از شامِ اوست
واں تہی آغوش نازک پیکرے
خانہ پروردِ نگاہش محشرے
فکرِ او از تابِ مغرب روشن است
ظاہرش زن، باطنِ اُو نازن است(۳۵)

(میرے نزدیک وہ جاہل اور گنوار لڑکی جو پست قامت، فربہ اندام

اور کم صورت ہے۔ جو تراش خراش سے عاری ہے اور بہ ظاہر کم تربیت یافتہ، کوتاہ نظر، کم گو اور سادہ لوح ہے۔ اس نے ماں بننے کی خاطر اپنے تمام تر دلی جذبات کا خون کر ڈالا ہے اور اس کے نتیجے میں اس کی آنکھوں کے گرد حلقے پڑ چکے ہیں۔ اگر ملت کو ایسی ماں کی آغوش سے ایک غیرت مند اور حق پرست مسلمان میسر آجائے تو یہ کہنے میں کچھ تامّل نہیں کہ ہماری زندگی ایسی ماں کے اٹھائے گئے رنج و الم ہی کے نتیجے میں استحکام پاتی ہے۔ ہماری صبحوں میں اجالا اسی کی شام سے ہے۔ اس کے مقابلے میں وہ نازک اندام لڑکی جو تہی آغوش ہے لیکن اس کی نگاہیں ایک محشر بپا کیے ہوئے ہیں اور اس کا ذہن مغربی خیالات کی چمک سے تاب دار ہے، بہ ظاہر وہ بھی عورت ہے لیکن بہ باطن اسے عورت ہونے سے کوئی نسبت نہیں ہے۔)

ان کے مطابق عورت احسن طریقے سے تربیتِ اطفال کر کے فریضۂ امومت کو نبھا سکتی ہے اور اس کے ایسا کرنے سے 'لآالٰہ گوؤں' میں اضافہ ہو سکتا ہے جو ستاروں کی طرح بے شمار ہیں مگر ظلامِ روزگار میں چھپے ہوئے ہیں۔ اقوام کی ترقی کا راز روپے پیسے یا دولت کی فراوانی سے نہیں بل کہ ایسے 'فرزند ہائے تن درست' کی تخلیق میں مضمر ہے، جو 'تر دماغ'، 'سخت کوش' اور 'چاق و چست' ہوں۔ دیکھیے رموزِ بے خودی کے ابیاتِ ذیل میں اس امر کا اثبات کیسے موثر پیرایے میں کراتے ہیں اور عورت کا درجۂ امومت ان کے نزدیک کس حد تک پسندیدہ ہے:

بر دمد ایں لالہ زارِ ممکنات
از خیابانِ ریاضِ اُمہّات

قوم را سرمایہ اے صاحب نظر
نیست از نقد و قماش و سیم و زر
مالِ او فرزند ہائے تندرست
تر دماغ و سخت کوش و چاق و چست
حافظِ رمزِ اخوّت مادراں
قوتِ قرآن و ملّت مادراں(۳۶)

(فرد کی ذات کے امکانات کے لالہ زار ماؤں ہی کی تربیت کے باغات کی کیاریوں میں پھوٹتے ہیں۔ اے صاحب نظر! جان لو کہ ملت کے لیے حقیقی سرمایہ روپیہ پیسہ، سونا، چاندی یا دیگر مال و اسباب نہیں بل کہ اس کا اصل ساز و سامان ایسے تنومند نوجوان ہوا کرتے ہیں جو ذہن و فطین، سخت کوش اور چاق و چوبند ہوں۔ مائیں ہی اخوت کی رمز کی حافظ ہیں۔ وہی ہیں جو اپنے فرزندوں کو قرآن کی قوت سے آشنا کرتی ہیں اور ملت کی محبت کو ان کے سینوں میں اتارتی ہیں۔)

جاوید نامہ میں جب 'زندہ رود' سیرِ افلاک کے دوران میں پیرِ رومی کی معیت میں 'فلکِ مریخ' پر پہنچتا ہے، تو وہاں بھی اقبال نے ایک ایسا کردار 'نبیۂ مریخ'' کے نام سے تخلیق کیا ہے، جو ان کے ہاں عورت کے مقام و مرتبے کی توضیح کرتا ہے۔ مرد کے خلاف دیگر باغیانہ رویوں کے اظہار کے ساتھ ساتھ نبوت کی دعوے دار فلکِ مریخ کی یہ نبیہ عہدِ حاضر کی عورت کو فرائضِ امومت سے غفلت برتنے پر اکساتی ہے:

وحیِ یزداں پے بہ پے آید مرا

لذّتِ ایماں بیفزاید مرا
آمد آں وقتے کہ از اعجازِ فن
می تواں دیدن جنین اندر بدن!
حاصلے برداری از کشتِ حیات
ہر چہ خواہی از بنین و از بنات!
گر نباشد بر مرادِ ما جنین
بے محابا کشتن او عینِ دیں!
در پسِ ایں عصر اعصارِ دگر
آشکارا گردد اسرارِ دگر
پرورش گیرد جنیں نوعِ دگر
بے شبِ ارحام دریابد سحر!
تا بمیرد آں سراپا اہرمن
ہمچو حیواناتِ ایامِ کہن!
لالہ ہا بے داغ و با دامانِ پاک
بے نیاز از شبنمے خیزد ز خاک!
خودبخود بیروں فتد اسرارِ زیست
نغمہ بے مضراب بخشد تارِ زیست!
آنچہ از نیساں فرو ریزد مگیر
اے صدف در زیرِ دریا تشنہ میر!
خیزد با فطرت بیا اندر ستیز

تا ز پیکارِ تو حُر گردد کنیز!
رستن از ربطِ دو تن توحیدِ زن
حافظِ خود باش و بر مرداں متن!(۳۷)

(مجھے یزداں کی جانب سے مسلسل وحی آرہی ہے جو میرے ایمان کی لذت کو دوچند کرتی ہے۔اب وہ زمانہ آچکا ہے کہ ہم سائنس کے کرشمے سے رحم میں جنین کو دیکھ سکتے ہیں ۔ اے عورت! سائنس کی ترقی سے اب تم زندگی کی کھیتی سے وہ ثمر پاسکتی ہو جو بیٹے یا بیٹی کی صورت تمھیں چاہیے بل کہ جنین اگر تمھاری خواہش کے مطابق نہیں تو بے خوف ہو کر اس کا ختم کردینا ہی درست ہے۔اس زمانے کے بعد ایسے بہت سے زمانے آرہے ہیں جب زندگی کے اسرار مزید آشکار ہوں گے۔جنین نئے انداز سے پرورش پائے گا اور رحم کی راتوں کے بغیر ہی نئی صبح دیکھے گا تا کہ وہ سراپا اہرمن (مرد) پرانے زمانے کے جانوروں کی طرح نیست و نابود ہوجائے۔اس طرح لالہ کے پھول (عورتیں) بے داغ اور پاک دامن رہیں گے اورعورتیں خاک سے اٹھنے والی اس شبنم (مرادمرد) سے بے نیاز ہوجائیں گی۔ یوں زندگی کے اسرار خود بخود ظاہر ہوں گے اور زندگی کے تار کو مضراب کے بغیر نغمے نصیب ہوجائیں گے۔اے سیپ (عورت) ابرنیساں (مرد) کی محتاج نہ ہو بل کہ سمندر میں پیاسی مرجانے کو ترجیح دے۔ تجھے چاہیے کہ تو فطرت کے اصول کے مقابل اٹھ کھڑی ہو بل کہ اس

سے برسرِ پیکار ہو جا تا کہ اس جنگ وجدل کے نتیجے میں تو 'کنیز' کے بجائے 'حُر' کا درجہ پاسکے۔ یاد رکھ دوبدنوں کے اتصال سے چھٹکارا پانے میں ہی عورت کی انفرادیت ہے۔لہٰذا اپنے وجود کی حفاظت کر اور مردوں کے ساتھ رہنے پر نازاں مت ہو۔)

اسی طرح ارمغانِ حجاز (فارسی) میں 'حضورِ ملّت' کے تحت مرقوم دو بیتیوں میں اقبال نے بارہواں حصہ 'دخترانِ ملت' کے عنوان سے قائم کیا ہے، جہاں وہ مثالی عورت کے تصور کی توضیح وتشریح بڑی عمدگی سے کر گئے ہیں۔ مثالاً یہاں امومت و تربیت کے فرائض کی نشان دہی سے عبارت چند دوبیتیاں ملاحظہ ہوں جو متنوع لہجوں میں مرقوم ہیں:

جہاں را محکمی از امّہات است
نہادِ شاں امینِ ممکنات است
اگر ایں نکتہ را قومے نداند
نظامِ کاروبارش بے ثبات است(۳۸)

(دنیا ماؤں کے وجود سے استحکام پاتی ہے۔ان کا وجود ہی آنے والی نسلوں کے امکانات کا امیں ہے۔جو قوم اس حقیقت کو نہ سمجھ پائے اس کے نظامِ زندگی کا چلنا محال ہے۔)

مرا داد ایں خرد پرور جنونے
نگاہِ مادرِ پاک اندرونے
ز مکتب چشم و دل نتواں گرفتن

کہ مکتب نیست جز سحر و فسونے!(۳۹)

(پاک باطن ماں کی نیک نگاہ ہی نے مجھے ہوش مند جنون عطا کیا ہے۔ عہد حاضر کے مدرسوں سے حق آشنا نگاہ اور دل بینا حاصل نہیں کی جاسکتی کیوں کہ مدرسہ سحر و افسون کے سوا کچھ نہیں ہیں۔)

خنک آں ملّتے کز واردا تش
قیامت ہا بہ بیند کاینا تش
چہ پیش آید، چہ پیش افتاد او را
تواں دید از جبینِ اُمہّا تش(۴۰)

(کیا ہی اچھی ہے وہ ملت جس کے افراد کے دل میں اٹھنے والے ہنگامے دنیا میں انقلاب برپا کردیتے ہیں کیوں کہ ایسی ملت کو جو کچھ پیش آتا ہے اور جو آیندہ آئے گا، اس کی ماؤں کو پیشانی پر لکھا دیکھا سکتا ہے۔)

ز شامِ ما بروں آور سحر را
بہ قرآں باز خواں اہلِ نظر را
تو میدانی کہ سوزِ قرأتِ تو
دگرگوں کرد تقدیرِ عمرؓ را(۴۱)

(اے ماں! ہمیں قرآن کے سوز سے آشنا کرکے ایک بار پھر ہماری ملت کی شام سے نئی صبح کا طلوع کر۔ تجھے معلوم ہے کہ تیری

قرأت کے سوز نے عمرؓ کی تقدیر بدل ڈالی تھی۔)

جب کہ اُردو کلام میں تصورِ امومت کا انسلاک لذتِ تخلیق سے کرتے ہوئے عورت کے ذریعے معرکۂ بود و نبود گرم دکھایا گیا ہے۔ 'عورت' کے زیرعنوان قطعے میں لکھتے ہیں:

جوہرِ مرد عیاں ہوتا ہے بے منّتِ غیر
غیر کے ہاتھ میں ہے جوہرِ عورت کی نمود!
راز ہے اس کے تپِ غم کا یہی نکتۂ شوق
آتشیں لذتِ تخلیق سے ہے اس کا وجود!
کھلتے جاتے ہیں اسی آگ سے اسرارِ حیات
گرم اسی آگ سے ہے معرکۂ بود و نبود!
میں بھی مظلومیِ نسواں سے ہوں غمناک بہت
نہیں ممکن مگر اس عقدۂ مشکل کی کشود!(۴۲)

اقبال کے ہاں امومت کے سلسلے میں تربیتِ اطفال کو کلیدی اہمیت حاصل ہے۔ اس ضمن میں وہ نہ صرف مسلم خواتین کے لیے اس فریضے کی احسن طریق میں ادائی کے لیے ارشادات فرماتے ہیں بل کہ ان کے دوسرے سفرِ لندن کے دوران کی مصروفیات سے ظاہر ہے کہ انھوں نے غیرمسلم خواتین کو بھی اس حوالے سے اہم مشورے دیے، مثلاً **انقلاب** میں شامل ایک تحریر (بہ تاریخ ۲۸/نومبر ۱۹۳۱ء) سے ایک اقتباس اس امر کی تصدیق کے لیے پیش ہے کہ علامہ اس موضوع پر کس قدر سنجیدگی سے غوروخوض کرتے تھے:

''.....پرسوں حضرتِ علامہ، مولانا شفیع داؤدی اور مولانا شوکت علی کے اعزاز میں لیڈی لارنس نے ایٹ ہوم کا اہتمام کیا تھا، جس میں متعدد

خواتین شریک تھیں۔ انھوں نے حضرتِ علامہ سے کہا کہ ہمیں کوئی خاص پیغام دیجیے۔ حضرتِ ممدوح نے فرمایا: ''انگلستان کی عورتوں کا فرض ہے کہ آئندہ نسل کو دہریت اور مادیت کے چنگل سے بچائیں.....'' (۴۳)

یوں امومت و تربیت کے باب میں اقبال نے خاصے توضیحی اسلوب میں عورت کے حقیقی منصب کی طرف توجہ دلائی ہے۔ اس تصور کی تفہیم کے بعد ان کے ہاں اب 'وجودِ زن' سے صرف 'تصویرِ کائنات میں رنگ' ہی نہیں رہتا بل کہ وہ افرادِ ملّت کی تہذیب و تربیت میں فعال کردار ادا کرتی نظر آتی ہے___ یہ دوسرا پہلو خالصتاً فرائضِ نسواں سے متعلق ہے اور علامہ کے ہاں اس کی تکمیل میں ہی بقاے حیات پنہاں ہے۔

فکریاتِ اقبال میں عورت کے مقام و مرتبے کی شناخت و دریافت کے ضمن میں ایک قابلِ ذکر نکتہ یہ ہے کہ علامہ نے محض فرائض کی بات نہیں کی بل کہ وہ حقوقِ نسواں کے بھی خاصے داعی رہے۔ ان کی نثری و شعری نگارشات میں اس ضمن میں بڑے نادر خیالات کا اظہار ملتا ہے جن کا مطالعہ کیے بغیر اقبال کے نظامِ فکر میں عورت کے تصور کو سمجھنا محال ہے۔ حیرت انگیز امر یہ ہے کہ ان کے پیش کردہ ایسے افکار و نکات تناسب کے اعتبار سے امومت و تربیتِ اطفال کے ضمن میں رقم کیے گئے ارشادات کے مقابلے میں کہیں زیادہ ہونے کے باوصف نمایاں طور پر بیان نہیں کیے جاتے___ حال آں کہ شعر و فکرِ اقبال کے اسی تیسرے زاویے کے امتیازی نکتوں کی صراحت سے اقبال کے تصورِ زن کی تکمیل ہوتی ہے___ یہ کہنے میں بھی حرج نہیں کہ یہ زاویہ 'حقوقِ نسواں' سے عبارت ہونے کے باعث فکرِ اقبال میں عورت کے تصور کی پیش کش کے ضمن میں غیر نمایاں رہا جب کہ خود اقبال نے اسے 'فرائض' کے مقابلے میں زیادہ توجہ دی ہے اور وہ اس معاملے میں خود عورت سے گلہ گزار ہیں کہ اُسے اپنے حقوق کا احساس

نہیں ہے۔ مزید کہتے ہیں کہ خواتین مغرب میں اٹھائے جانے والے آزادیِ نسواں سے متعلق خیالات کا اطلاق خود پر بغیر سوچے سمجھے اور اپنے مذہب اور اقدار کے آئینے میں انھیں پرکھے بغیر کر رہی ہیں حال آں کہ مذہب اسلام نے انھیں ایک فرد کے طور پر اہمیت دی ہے اور ان کے حقوق پر واضح احکامات موجود ہیں۔ اقبال نے اصلاحِ تمدن کے ضمن میں بیان کردہ مسائل میں عورت کے حقوق کو اہم مسئلہ گردانا ہے (وہ اسے 'سب سے زیادہ نازک' مسئلہ کہتے ہیں) اور اس سلسلے میں واضح اسلامی احکامات کی موجودگی کی طرف توجہ دلانے کے ساتھ اسلام میں حقوقِ نسواں پر روشنی ڈالتے ہیں۔ اپنے مضمون ''قومی زندگی'' میں اس حوالے سے وہ مغرب کے اعتراضات کا جواب دیتے ہوئے بڑے مدلل اسلوب میں لکھتے ہیں:

''.....مغربی علما نے حقوقِ نسواں کے متعلق مذہب اسلام پر بعض بعض بڑے بے جا اعتراض کیے ہیں، لیکن یہ اعتراض حقیقت میں مذہبِ اسلام پر نہیں ہیں، جیسا کہ ان علما نے خیال کیا ہے، بل کہ ان کی آماج گاہ وہ استدلالات ہیں جو فقہاے اسلام نے کلامِ الٰہی کے وسیع اصولوں سے کیے ہیں اور جن کی نسبت یہ کہا جا سکتا ہے کہ ضروری اجتہادات مذہب کے کوئی ضروری اجزا نہیں ہیں۔ ان تمام اعتراضات کا مقصد و مدعا یہی ہے کہ اصولِ مذہب اسلام کی رو سے عورتوں کی حیثیت محض غلامانہ ہے، لیکن ذرا سوچنے کا مقام ہے کہ جس نبیؐ نے نوعِ انسانی کے ایک بہت بڑے گروہ یعنی غلاموں کو حقوق کی رو سے آقاؤں کے مساوی کر دیا، یہ کس طرح ممکن تھا کہ وہی بنی نوعِ انسانی کے ایک نہایت ضروری حصے کو جس کو اُس نے اپنی تین محبوب ترین اشیا میں شامل کیا ہے، غلاموں کی صورت میں منتقل کر دیتا۔ مسلمانوں کا

موجودہ طریقِ عمل زیادہ تر فقہاے قدیم کے ذاتی استدلالات پر مبنی ہے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ استدلالات ترمیم طلب ہیں اور کون کہہ سکتا ہے کہ ان استدلالات میں موجودہ حالات کی رُو سے ترمیم کرنا گناہ ہے، بشرطے کہ یہ ترمیم اصولِ مذہب کے مخالف نہ ہو.....''(۴۴)

چناں چہ فکریاتِ اقبال میں فرائض کے اختلافات کے ساتھ بہ طور فرد عورت کو مرد کے مساوی قرار دیا گیا ہے اور اقبال واضح طور پر اس طرف اشارہ کرتے ہیں۔ ۷/جنوری ۱۹۲۹ء کو انجمن خواتین اسلام، مدراس نے علامہ اقبال کو ایک سپاس نامہ پیش کیا، جس میں خواتین نے برعظیم میں مسلم عورت کے استحصال پر روشنی ڈالتے ہوئے کہا:

''.....آپ سے یہ عاجزانہ التماس کرنا غیر موزوں اور نامناسب نہ ہوگا کہ آپ ہم اسیرانِ قفس کے لیے بھی اپنے قیمتی اوقات سے کچھ تھوڑا سا وقت وقف فرمائیں اور طبقۂ نسوانِ اسلام کی شرعی آزادی کے لیے نغمہ سنجی فرمائیں۔ ہم اسیرانِ قفس کی حالت ناگفتہ بہ ہے۔ اس کے انسداد کے لیے کوئی ایک پُر جوش نظم لکھ کر سوتے ہوئے جذبات کو بھڑکائیے.....دنیا میں مرد و عورت کے توقعات ایک دوسرے سے یک ساں ہوتے ہیں اور اسلام نے مساوات کی تعلیم دی ہے۔ ہم بہت رنج سے دیکھتی ہیں کہ مردوں کی جانب سے عورتوں کے حقوق کے متعلق سخت بے پروائی برتی جاتی ہے.....ہم کو اس بات کا رنج ہے کہ فرقۂ اناث کے ساتھ بے انصافی کرنے اور ان کی حق تلفی کرنے کی بنیاد خود والدین کے گھروں میں ڈالی جاتی ہے۔ ماں باپ دونوں فریق میں افراط وتفریط وفرق کو ہمارے ساتھ ساتھ پرورش کرتے ہیں۔ لڑکی

کو لڑکے کے مقابلے میں کھانے پینے کے علاوہ تقسیمِ املاک میں بھی محروم کرتے ہیں۔ لڑکی گر بدقسمتی سے بیوہ ہو جاتی ہے تو ظالم ماں باپ اپنی خاندانی عزت وعظمت بچانے کے لیے اس کی شادی نہیں کر دیتے۔ اس کو بھائیوں اور چچاؤں کے دست نگر بنا کے تباہ کر دیتے ہیں۔ اب عصرِ جدید میں ہر جگہ طبقۂ نسواں کی آزادی کی چیخ و پکار ہے۔ نئی تعلیم و روشنی کا فطرتی نتیجہ یہ ہے کہ اسلامی طبقۂ نسواں میں ان کی شرعی اور جائز آزادی اور مساوات ان کو حاصل ہوں.....''(۴۵)

جیسا کہ گذشتہ سطور میں ذکر ہوا کہ اقبال نے اس کے جواب میں ''شریعتِ اسلام میں مرد اور عورت کا رتبہ'' کے عنوان سے ۱۹/فروری ۱۹۲۹ء کو ایک تقریر کی جو انقلاب میں شائع ہوئی۔ اس میں آزادیِ نسواں سے متعلق دیگر نکات کے علاوہ عورت اور مرد کی مساوات کے ضمن میں آپ نے فرمایا:

''.....عورت کے بہ حیثیت عورت اور مرد کے بہ حیثیت مرد، بعض خاص علاحدہ علاحدہ فرائض ہیں۔ ان فرائض میں اختلاف ہے، مگر اس سے یہ نتیجہ نہیں نکلتا کہ عورت ادنیٰ ہے اور مرد اعلیٰ___ فرائض کا اختلاف اور وجوہ پر مبنی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جہاں تک مساوات کا تعلق ہے، اسلام کے اندر مرد و زن میں کوئی فرق نہیں۔ تمدنی ضروریات کی وجہ سے فرائض میں اختلاف ہے۔ مدنی زندگی کے لیے جو احکام ہوں گے، وہ فرائض کو مدنظر رکھ کر ہوں گے.....''(۴۶)

''مجھے یہ بتلانے کی ضرورت نہیں کہ اسلام میں مرد و زن میں قطعی مساوات ہے۔ میں نے قرآنِ پاک کی آیت سے یہی سمجھا ہے۔

بعض علما مرد کی فوقیت کے قائل ہیں۔ جس آیت سے شک کیا جاتا ہے، وہ مشہور ہے الرجال قوامون علی النساء___ عربی محاورے کی رو سے اس کی یہ تفسیر صحیح معلوم نہیں ہوتی کہ مرد کو عورت پر فوقیت حاصل ہے۔ عربی گرامر کی رو سے قائم کا صلہ جب علیٰ پر آئے تو معنی محافظت کے ہو جاتے ہیں۔ ایک دوسری جگہ قرآنِ حکیم نے فرمایا: 'ھن لباس لکم وانتم لباس لھن'___ لباس بھی محافظت کے لیے ہوتا ہے۔ مرد، عورت کا محافظ ہے۔ دیگر کئی لحاظ سے بھی مرد و عورت میں کسی قسم کا فرق نہیں.....'' (۴۷)

اسی خطاب میں علامہ نے اپنے موقف کی تائید میں تاریخِ اسلام سے اسناد پیش کرتے ہوئے عورت اور مرد کی مساوات کے حوالے سے یہ بھی کہا کہ:

''قرونِ اولیٰ میں عورتیں مردوں کے دوش بہ دوش جہاد میں شریک ہوئیں۔ حضرتِ عائشہؓ پردے میں بیٹھ کر لوگوں کو درس دیتی رہیں۔ خلفاے عباسیہ کے عہد میں ایک موقعے پر خلیفہ کی بہن قاضی القضاۃ کے عہدے پر مامور تھیں اور خود فتویٰ صادر کرتی تھیں___ اب یہ مطالبہ ہے کہ عورت کو ووٹ کا حق ملنا چاہیے۔ خلافتِ اسلامیہ میں خلیفہ کے انتخاب پر ہر شخص کو رائے دینے کا حق حاصل تھا، نہ صرف مرد بل کہ عورتیں بھی خلیفہ کے انتخاب میں اپنی آواز رکھتی تھیں۔ اسلام تمام معاملات میں اعتدال کو مدنظر رکھتا ہے۔ 'اُمۃ وسطاً لتکونوا شھداء علی الناس'___ اس کا مطلب یہی ہے کہ تمام افراط و تفریط سے پرہیز کیا جائے۔'' (۴۸)

خود حیاتِ اقبال میں اس طرح کے واقعات ملتے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ اقبال عورت کو ایک فرد کی حیثیت سے تسلیم کرتے تھے، مثلاً ۱۹۳۱ء میں جب ہندوستان میں مختلف مقامات پر ہندو مسلم فسادات کا سلسلہ شروع ہو گیا اور اس کے نتیجے میں مسلمانوں کو نقصان کا سامنا کرنا پڑا (خصوصاً کان پور کے حوالے سے) تو اقبال اور دوسرے مسلمان رہ نماؤں نے ۱۴ر جولائی ۱۹۳۱ء کے اخبارات میں اپیل شائع کرائی جس میں مردوں کے ساتھ ساتھ خواتین کو بھی چندے کی جمع آوری کے لیے کہا گیا۔ یہ موقف قائم ہوا کہ: ''ہر جگہ کی مخلص عورتیں بھی اگر اس کام کے لیے آمادہ ہو جائیں تو عورتوں ہی سے اس قدر رقم جمع کی جا سکتی ہے جو مساجد کی تعمیر کے لیے کافی ہو۔ امید ہے کہ ہر جگہ کی تعلیم یافتہ مسلم خواتین اپنی بہنوں میں یہ تحریک پھیلا کر اس نیک کام میں حصہ لیں گی اور بیداری کا ثبوت دیں گی.....'' (۴۹) اقبال عورت کے ووٹ دینے کے حق میں تھے اور اس امر پر افسوس کا اظہار کرتے تھے کہ غلاموں کی طرح عورت کو بھی اس حق سے محروم رکھا جاتا ہے۔ چناں چہ ۱۹۰۸ء کے تحریر کردہ اپنے ایک مقالے: ''خلافتِ اسلامیہ'' کے ایک حصے بہ عنوان: ''خلافتِ انتخابیہ___ مذہب اہل سنت و الجماعت'' میں لکھتے ہیں: ''معلوم ہوتا ہے قرونِ اولیٰ کے فقہا اس بات میں کچھ خطرہ محسوس کرتے تھے کہ عوام الناس کو ووٹ دینے کا حق حاصل ہو یا کبھی عملاً ووٹ دیں .....مگر ہم بالفعل اس معاملے میں اپنی رائے نہیں دے سکتے کہ عورتوں کو الگ تھلگ رکھنے کی پابندی روز افزوں اس لیے ہوئی کہ ان کو حق انتخاب سے محروم رکھا جائے جس سے اصولاً ان کو محروم نہیں رکھا جا سکتا تھا، یا کسی اور غرض کے لیے۔'' (۵۰)

فکریاتِ اقبال میں طبقۂ نسواں سے متعلق تصورات و نظریات سے یہ ظاہر ہے کہ اقبال نے بھی عورت کو دیگر علما و فلاسفہ کی طرح حیاتِ انسانی کے ایک اہم اور

فعال مظہر کے طور پر پرکھنے کی کوشش کی ہے۔ وہ اپنے فلسفۂ زن کی تعبیریں بڑے مدلل انداز میں پیش کرتے ہیں، لیکن ان کے ہاں اس قبیل کے خیالات زیادہ تر بکھری ہوئی صورت میں ملتے ہیں۔ شعروفکر اقبال میں عورت کے مقام و مرتبے کی اولین صورت خالصتاً جمالیاتی و تاثراتی اور عقلی و ذہنی ہے، جس کے تحت وہ اسے ایک بھرپور قوتِ محرکہ قیاس کرنے کے ساتھ ساتھ انسان کی جذباتی و تخیلاتی اور ذہنی آسودگی کے لیے عطیۂ خداوندی سمجھتے ہیں۔ دوسری صورت خالصتاً امومت و تربیت سے وابستہ ہے جو اصلاً اس کی تخلیق کا باعث ہے اور توسیع انسانی کا ایک فطری عمل بھی۔ اس نکتے کے تحت انھوں نے بڑی مہارت کے ساتھ تعلیم و تہذیب، آزادی و دائرۂ آزادی، فعالیت و نیم فعالیت، ادائیگی فرائض اور نسوانی حیا جیسے موضوعات کو چھیڑا ہے اور حقیقی معنوں میں ان کے مطابق یہ نکتہ سرتا سر فرائض نسواں کے گرد گھومتا ہے۔ یہاں عورت قربانی کی تفسیر دکھائی دیتی ہے اور وہ اسی میں بقاے حیات کا راز مضمر گردانتے ہیں___ خصوصاً ملتِ اسلامیہ میں امومت و تربیت کے جو اصول نہایت اہم سمجھے جاتے ہیں، اقبال نے بڑی تفصیل کے ساتھ ان پر روشنی ڈالی ہے۔ نیز ان کے مطابق نساے اسلام کے لیے یہ وہ اوصافِ عالیہ ہیں جو صرف انھی سے مخصوص ہیں اور جن کے باعث ان کے قدموں میں جنت رکھی گئی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان فرائض کی بہ صورتِ احسن ادائی ملت اسلامیہ کے ترفع اور عدم ادائی اس کے تنزل کا سبب بنتی رہی ہے۔ اقبال نے ان پہلوؤں کو عورت کا امتیاز قرار دیا ہے اور یہاں وہ خالصتاً طبقۂ نسواں سے مخاطب ہوئے ہیں___ اور ظاہر ہے کہ یہ تمام امور مردوں سے الگ ہیں، اس لیے ان پر اس صورت میں الگ طریقے سے بات کرنا، اقبال جیسے نادرروزگار مفکر و مدبر کی حکمت و ذہانت کے عین مطابق تھا اور

ہندوستان میں مسلمانوں کی ابتر صورت حال کے تحت اشد ضروری بھی___ تیسرا نکتہ کلی طور پر عورت کے مقام کا بہ حیثیت فرد تعین کرتا ہے اور یہاں علامہ مدلل انداز سے ثابت کرتے ہیں کہ عورت ایک انسان ہونے کے ناتے، ایک 'فرد' کے طور پر وجود رکھتی ہے اور دیگر افرادِ ملّت کی طرح تخلیق و تحصیل مقاصد، آزادی و مساوات اور تحرک و حرارت وغیرہ جیسے زریں اصولوں کو اپناتے ہوئے نہ صرف اپنی شخصیت میں امتیاز پیدا کرسکتی ہے بل کہ ملّت کے ایک متحرک فرد کے طور پر اپنی ذمے داریاں احسن طریقے سے انجام دے سکتی ہے___ یوں یہ نکتہ حقوقِ نسواں سے منسلک ہے اور ظاہر ہے کہ فرائض کی بہ خوبی انجام دہی کے بعد عورت کے لیے معاشرے میں دین و شریعت کے دیئے گئے حقوق کی روشنی میں ایسے مقام و مرتبے کا پہچاننا ضروری ہے۔ ایک اعتبار سے دیکھا جائے تو اقبال کے ہاں یہ تیسرا پہلو بے حد اہم ہے اور اگر فکریاتِ اقبال میں اسے نظرانداز کیا جائے تو 'فرد' کی اصطلاح شعرِ اقبال میں یک سطحی بل کہ قدرے بے معنی ہو جاتی ہے کہ دوسری صورت میں محض 'مردِ مومن' کی اصطلاح کافی رہتی ہے___ عورت اگر حفظِ نسوانیت اور امومت و تربیت کے فرائض عالیہ کی انجام دہی کے ساتھ مکمل علم و شعور کے ساتھ معاشرے کے مختلف شعبہ ہاے زندگی میں بلند مقام بناتی ہے تو یہ عین خودی اور عشق کے فیضان سے حاصل ہونے والے خصائص ہیں___ جیسا کہ خود اقبال نے طبقۂ نسواں سے دین و دانش اور فعالیت و تحرک سے ہم آہنگ خواتین کو مسلم عورتوں کے لیے سراپا مثال قرار دیا۔ یاد رہے کہ اقبال کے ہاں عورت کے مقام و مرتبے سے متعلق پیش کردہ متذکرہ نکات کا معاشرے میں عورت کے کردار کی وضاحت میں اسی طرح حصہ ہے، جس طرح دوسرے طبقات میں شعور پیدا کرنے کے لیے ان کے

کلام سے اخذ کیا جاتا ہے۔ اقبال کا بنیادی مقصد ہی فرد اور معاشرے کی اصلاح و فلاح ہے اور انھوں نے خاص اس موضوع پر تمام تر دینی و سماجی اور مشرقی تقاضوں کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے عورت کے مقام و مرتبے کی توضیح کی ہے___ یوں کلام و افکارِ اقبال سے مسلم معاشرے کا ایک بڑا طبقہ محروم نہیں نظر آتا اور اگر ان کی پیش کردہ سمت کی روشنی میں تربیتِ نسواں کی جائے تو کوئی شک نہیں کہ مسلم معاشرے میں رواجی و معاشرتی سطح پر قابل اور ذہین خواتین کے استحصال کی بیخ کنی نہ ہو سکے___ غور کیا جائے تو اقبال نے بھی شاید اسی لیے 'مسئلۂ زن' کو اہم گردانا، وگرنہ ان کے ہاں بھی دیگر شعرائے اردو کی طرح عورت زیادہ تر ایک عشوہ طراز محبوبہ کے طور پر سرتاسر جمالیاتی و رومانی پیکر کی صورت میں سامنے آتی جس کی ذہن و خیال میں تو ضرور جگہ ہوتی لیکن تعمیرِ معاشرت میں اس کے لیے کوئی گنجائش نہ ہوتی اور نہ ہی وہ اپنی مضبوط شخصیت سے افرادِ ملّت کی تقدیریں بدلنے میں اہم، فعال اور موثر کردار ادا کرتی نظر آتی___

حوالے اور حواشی

(۱) دیکھیے: **گفتارِ اقبال** (مرتبہ) محمد رفیق افضل، لاہور: ادارہ تحقیقات پاکستان، دانش گاہِ پنجاب، طبع اوّل ۱۹۶۹ء، ص ۵۷۔

(۲) ملاحظہ کیجیے: **روزگارِ فقیر** از فقیر سید وحیدالدین، لاہور: آتش فشاں پبلی کیشنز ۱۹۸۸ء، ج ۱، ص ۱۶۴۔

(۳) **ضربِ کلیم** مشمولہ **کلیاتِ اقبال** (اردو)، لاہور: شیخ غلام علی اینڈ سنز ۱۹۷۲ء، ص ۹۴۔

(۴) **رموزِ بے خودی** مشمولہ **کلیاتِ اقبال** (فارسی)، لاہور: شیخ غلام علی اینڈ سنز، طبع

ششم، ص ۱۴۹۔

(۵) **ضربِ کلیم**، مشمولہ **کلیاتِ اقبال** (اردو)، ص ۹۵۔

(۶) دیکھیے: **کلیاتِ باقیاتِ شعرِ اقبال** (مرتبہ) ڈاکٹر صابر کلوروی، لاہور: اقبال اکادمی پاکستان، طبع اول ۲۰۰۴ء، ص ۱۶۴، ۱۶۵۔

(۷) **بانگِ درا** مشمولہ **کلیاتِ اقبال** (اردو)، ص ۹۸۔

(۸) ایضاً، ص ۱۰۲۔

(۹) //، ص ۱۰۵۔

(۱۰) //، ص ۱۱۶۔

(۱۱) //، ص ۱۱۷۔

(۱۲) //، ص ۱۱۸۔

(۱۳) //، ص ۱۲۰۔

(۱۴) //، ص ۱۲۱۔

(۱۵) مکتوب بہ تاریخ ۲۳/ اکتوبر ۱۹۰۷ء مشمولہ **کلیاتِ مکاتیبِ اقبال** (مرتبہ) مظفر حسین برنی، لاہور: ترتیب پبلشرز، س ن، ج ۱، ص ۱۲۲، ۱۲۳۔

(۱۶) مکتوب بہ تاریخ ۲/ دسمبر ۱۹۰۷ء مشمولہ **کلیاتِ مکاتیبِ اقبال**، ج ۱، ص ۱۲۶، ۱۲۷۔

(۱۷) مکتوب بہ تاریخ ۲۰/ جنوری ۱۹۰۸ء، ایضاً، ص ۱۲۹۔

(۱۸) مکتوب بہ تاریخ ۲۱/ جنوری ۱۹۰۸ء، //، ص ۱۳۱۔

(۱۹) مکتوب بہ تاریخ ۳/ جون ۱۹۰۸ء، //، ص ۱۳۵۔

(۲۰) مکتوب بہ تاریخ ۲۷/ جون ۱۹۰۸ء، //، ص ۱۳۷، ۱۳۸۔

(۲۱) مکتوب بہ تاریخ ۳؍ستمبر ۱۹۰۸ء،//،ص ۱۴۵۔

(۲۲) مکتوب بہ تاریخ ۲۰؍جولائی ۱۹۰۹ء،//،ص ۱۸۱۔

(۲۳) مکتوب بہ تاریخ ۳۰؍جولائی ۱۹۱۲ء،//،ص ۲۳۷۔

(۲۴) مکتوب بہ تاریخ ۹؍اپریل ۱۹۰۹ء مشمولہ **اقبال** (از عطیہ فیضی)، لاہور: آئینہ ادب ۱۹۷۵ء، ص ۴۸، ۴۹۔

(۲۵) دیکھیے: کتابِ مذکور، ص ۵۰، ۵۱۔

(۲۶) انقلاب: ۱۳؍دسمبر ۱۹۳۱ء بہ حوالہ **گفتارِ اقبال** (مرتبہ) محمد رفیق افضل، ص ۲۶۲۔

(۲۷) ایضاً، ص ۲۵۲۔

(۲۸) دیکھیے: **گفتارِ اقبال**، ص ۲۱۶، ۲۱۷۔

(۲۹) ایضاً، ص ۱۴۰۔

(۳۰) دیکھیے: **علم الاقتصاد**، کراچی: اقبال اکادمی پاکستان، ۱۹۶۱ء، ص ۱۱، ۱۲۔

(۳۱) **روزگارِ فقیر** از فقیر سید وحید الدین، ج ۱، ص ۶۶۔

(۳۲) ایضاً، ص ۱۳۷، ۱۳۸۔

(۳۳) ملاحظہ کیجیے: مکتوب مذکور مشمولہ **انوارِ اقبال** (مرتبہ) بشیر احمد ڈار، کراچی: اقبال اکادمی پاکستان، طبع اوّل ۱۹۶۷ء، ص ۵۔

(۳۴) **رموزِ بے خودی** مشمولہ **کلیاتِ اقبال** (فارسی) ص ۱۵۰۔

(۳۵) ایضاً، ص ۱۵۱۔

(۳۶) ایضاً۔

(۳۷) **جاویدنامہ** مشمولہ **کلیاتِ اقبال** (فارسی)، ص ۱۱۱، ۱۱۲۔

(۳۸) **ارمغانِ حجاز** مشمولہ **کلیاتِ اقبال** (فارسی)، ص ۹۳۔

(۳۹) ایضاً۔

(۴۰) //، ص ۹۴۔

(۴۱) ایضاً۔

(۴۲) **ضربِ کلیم** مشمولہ **کلیاتِ اقبال** (اردو)، ص ۹۷۔

(۴۳) دیکھیے: **گفتارِ اقبال**، ص ۲۵۲۔

(۴۴) **قومی زندگی اور ملتِ بیضا پر ایک عمرانی نظر**، لاہور: آئینۂ ادب، طبع اول ۱۹۷۰ء، ص ۴۳، ۴۴۔

(۴۵) مشمولہ **انوارِ اقبال** (مرتبہ) بشیر احمد ڈار، ص ۲۳۷، ۲۳۸۔

(۴۶) مشمولہ **گفتارِ اقبال**، ص ۷۶، ۷۷۔

(۴۷) ایضاً، ص ۷۵، ۷۶۔

(۴۸) //، ص ۷۶۔

(۴۹) //، ص ۱۲۸، ۱۲۹۔

(۵۰) **مقالاتِ اقبال** (مرتبہ) سید عبدالواحد معینی، لاہور: آئینۂ ادب، طبع دوم ۱۹۸۲ء، ص ۱۳۸، ۱۳۹۔

اقبال،حقوقِ نسواں اور تصویرِ کائنات

حقوقِ نسواں کی ذیل میں اقبال نے جن بنیادی مسائل پر اظہارِ خیال کیا ان میں آزادیِ نسواں، تعلیم نسواں اور عورت کے شرعی و سماجی حقوق خصوصیت کے ساتھ شامل ہیں۔ طبقۂ نسواں سے متعلق ان مسائل و موضوعات کے ضمن میں اقبال کے نقطۂ نظر کو سمجھنے کے لیے ان کے ہاں 'آزادیِ نسواں' کی حدود و قیود پر روشنی ڈالنا ضروری ہے۔ آزادیِ نسواں کے باب میں علامہ یورپ کی اختیار کردہ نام نہاد آزادی کو ہرگز پسند نہیں کرتے اور اس سلسلے میں جن اسلامی ممالک نے مغرب کے وضع کردہ طریقۂ کار کو

اختیار کیا، اقبال مسلم خواتین کو اس سے ہوشیار رہنے کی تلقین کرتے ہیں۔ وہ عورت کی زیب و زینت کے اظہار کو پسند نہیں کرتے اور اس کی بے جا آزادی کو قانونِ فطرت اور عورت کی نفسیات سے متصادم قرار دیتے ہیں۔ اس سلسلے میں ان کے ہاں سرتا سر مغربیت سے اباا ور مشرقیت سے ارجاع کا رویہ ملتا ہے۔ خصوصاً مغرب نے آزادی نسواں کے نام پر جس طرح عورت کو 'ماڈل گرل' بنا ڈالا، اقبال اس سے خاصے متنفر ہیں۔ وہ عورت کی بے مہار آزادی کے ہرگز قائل نہیں بل کہ اس کے مقابلے میں ایسی فعالیت کے پُرزور حامی نظر آتے ہیں جو حرمت و عزت کو قائم رکھے ہوئے اختیار کی جائے۔ ان کی نظر میں عورت کو اپنے ظاہر کے بجائے باطن کی طرف توجہ کر کے اپنی انفرادی صلاحیتوں کا اظہار کرنا چاہیے۔ چناں چہ اکثر مقامات پر علامہ اس امر پر حیرت کا اظہار کرتے ہیں کہ مغرب کی عورتوں نے اُن تمام باتوں سے جنھیں وہ قیود سے عبارت سمجھتی تھیں، آزادی حاصل کرنے کے باوصف کیوں کر زیادہ تر خودکشیاں کیں؟ یا پھر انگلستان میں عورتوں کا طلاق کے لیے عدالتوں میں جانا اور ترکی میں، جو اس وقت مغربی طرز کی آزادی نسواں کو اختیار کیے ہوئے تھا، خواتین میں خودکشی کے واقعات کیوں رونما ہوئے؟___ اقبال اس سلسلے میں انسانی فطرت خصوصاً عورت کی نفسیات کو مدِّنظر رکھنے کی جانب توجہ دلاتے ہیں کیوں کہ ان کے نزدیک: ''یہ مشکل مسئلہ ہے اور بغیر انسانی فطرت کے گہرے اور صحیح مطالعے کے، اس کے عمل پر پہنچنے کی امید کرنا مشکل ہے(۱)___'' اس حوالے سے انھوں نے اپنے مضمون: ''ملتِ بیضا پر ایک عمرانی نظر'' میں مسلمان عورت کی آزادی کو مغرب کے تصور آزادی سے یک سر مختلف گردانتے ہوئے، اس سے اثرپذیری کی مذمت کی اور دوٹوک انداز میں اس جانب اشارہ کیا کہ: ''اپنی قوم کی خاص نوعیت، اسلام کی تعلیم اور عالمِ نسواں کے متعلق علم الاعضا و علم الحیات کے اکتشافات کو مدِّنظر رکھنے کے بعد ہم اس نتیجے پر پہنچے بغیر نہیں

رہ سکتے کہ مسلمان عورت کو جماعتِ اسلامی میں بدستور اسی حد کے اندر رہنا چاہیے جو اسلام نے اُن کے لیے مقرر کر دی ہے اور جو حد کہ اُس کے لیے مقرر کی گئی ہے، اسی کے لحاظ سے اس کی تعلیم ہونی چاہیے......''(۲) وہ اپنے اس مضمون میں یورپ میں آزادیِ نسواں کے طرق پر معترض ہیں اور عورت اور مرد کی (فرائض کے اختلافات کے بغیر) مطلق برابری کے تصور پر نکتہ چینی کرتے ہوئے یوں رقم طراز ہیں:

''......کھلے کھلے لفظوں میں اس امر کا اعتراف میں ضرور کروں گا کہ بحوائے آیۂ کریمہ الرِّجَالُ قَوّٰامُوْنَ عَلَی النِّسَاءِ میں مرد اور عورت کی مساواتِ مطلق کا حامی نہیں ہوسکتا۔ یہ ظاہر ہے کہ قدرت نے ان دونوں کے تفویض جدا جدا خدمتیں کی ہیں اور فرائض جداگانہ کی صحیح اور باقاعدہ انجام دہی خانوادۂ انسانی کی صحت اور فلاح کے لیے لازمی ہے۔ مغربی دنیا میں جہاں نفسی نفسی کا ہنگامہ گرم ہے اور غیر معتدل مسابقت نے ایک خاص قسم کی اقتصادی حالت پیدا کر دی ہے۔ عورتوں کا آزاد کر دیا جانا ایک ایسا تجربہ ہے، جو میری دانست میں بجائے کامیاب ہونے کے اُلٹا نقصان رساں ثابت ہوگا اور نظامِ معاشرت میں اس سے پیچیدگیاں واقع ہو جائیں گی اور عورتوں کی اعلیٰ تعلیم سے بھی جس حد تک کہ افرادِ قوم کی شرحِ ولادت کو تعلق ہے، جو نتائج مرتب ہوں گے، وہ بھی غالباً پسندیدہ نہ ہوں گے۔ مغربی دنیا میں جب عورتوں نے گھر کی چار دیواری سے باہر نکل کر کسبِ معاش کی جدوجہد میں مردوں کا ساتھ دینا شروع کیا تو خیال کیا جاتا تھا کہ ان کی یہ اقتصادی حریت دولت کی پیداوار میں معتدبہ اضافہ کرے گی، لیکن تجربے نے اس خیال کی نفی کر دی اور ثابت کر دیا کہ اس خاندانی

وحدت کے رشتے کو جو بنی نوعِ انسان کی روحانی زندگی کا جزوِ اعظم ہے، یہ حرّیت توڑ دیتی ہے......''(۳)

چناں چہ انجمن مسلم خواتین، مدراس کے سپاس نامے کے جواب میں انھوں نے طبقۂ نسواں کو جہاں دیگر امور سے باخبر کیا، وہاں مغرب کے آزادیِ نسواں کے تصور سے گریز کرنے کا مشورہ دیا۔ اپنی تقریر: ''شریعتِ اسلام میں مرد اور عورت کا رتبہ'' (مطبوعہ ''انقلاب'' بہ تاریخ ۱۹ر فروری ۱۹۲۹ء) میں وہ مشورہ دیتے ہیں کہ عورتوں کو چاہیے کہ وہ محض لفظ 'آزادی' پر نہ جائیں بل کہ اس کے حقیقی مفہوم پر غور کریں۔ یورپ کی آزادی کا مظاہرہ سب کے سامنے ہے جہاں ''بڑھتے ہوئے معیارِ زندگی کا وہاں کے لوگوں پر یہ اثر پڑا ہے کہ بعض ماں باپ یورپ میں بچے کی زندگی کا بیمہ(Insure) کرا دیتے ہیں، پھر بچے کو تھوڑی خوراک دے کر ہلاک کر دیا جاتا ہے۔ بچوں کو اس قسم کی ہلاکت سے بچانے کے لیے یورپ میں کئی سوسائٹیاں مقرر ہیں......''(۴) وہ توجہ دلاتے ہیں کہ خود یورپ کے لیے اب یہ آزادیِ بے مہار وبالِ جاں بن گئی ہے حتیٰ کہ جن اسلامی ممالک نے ان سے اثر پذیری اختیار کی، ان کا بھی یہی عالم ہے۔ اس سلسلے میں علامہ ترکی کی مثال دیتے ہیں جہاں ان کے مطابق مصطفیٰ کمال کی نام نہاد اصلاحات ''ہرگز حکومت پر مبنی نہیں___ عورت کی آزادی خود شریعتِ اسلامی نے دے رکھی ہے، مصطفیٰ کمال کیا دیں گے؟ ہاں، 'مادر پدر آزادی' کی شریعت نے کبھی اجازت نہیں دی، نہ کوئی ہوش مند انسان کبھی اس کی خواہش کرے گا۔ بے جا آزادی سے ترکی میں یورپین قسم کا ناچ شروع ہوا___ اسی مصطفیٰ کمال کو وہ ناچ حکماً بند کرانا پڑا......''(۵) صرف اس لیے کہ آزادیِ نسواں کے غیر اسلامی تصورات اسلام سے منافی ہیں اور بالآخر ایسی آزادی پر بند باندھنے پڑتے ہیں۔ شعری سطح پر آزادی نسواں کے باب میں اقبال نے ضربِ کلیم میں 'آزادیِ نسواں' ہی کے عنوان سے ایک قطعہ سپردِ

قلم کیا ہے جس میں وہ ایسی 'آزادی' کو 'زہر' اور 'پابندی' کو 'قند' سے تعبیر کرتے ہوئے عورت کو دعوتِ استدلال دیتے ہیں، قطعہ دیکھیے:

اس راز کو عورت کی بصیرت ہی کرے فاش
مجبور ہیں، معذور ہیں، مردانِ خرد مند
کیا چیز ہے آرائش و قیمت میں زیادہ
آزادیٔ نسواں کہ زمرد کا گلوبند؟(۶)

اقبال سمجھتے ہیں کہ 'آزادیِ نسواں، کے بجائے مسلم عورت کو 'حفظِ نسواں' کے اصول پر کاربند رہنا چاہیے اور نسوانیتِ زن کی نگہ بانی عورت کے ہاتھ میں ہونے کے باوصف وہ جذباتیت اور معصومیت پر مبنی نفسیات کی حامل ہونے کے باعث اکثر اوقات حفظِ ذاتی سے قاصر رہ جاتی ہے ___ چناں چہ نسوانیت زن کا حقیقی نگہ بان مرد ہے اور جس قوم کے مردوں نے اس حقیقت کا عرفان نہ کیا، وہاں عورت کا 'آزادیِ نسواں' کے نعرے کے تحت استحصال ہوتا چلا گیا۔ خصوصاً مغرب میں معاشرتی بربادی اسی سبب سے واقع ہوئی۔ **ضربِ کلیم** میں اس حوالے سے 'مردِ فرنگ' 'ایک سوال' اور 'عورت کی حفاظت' کے زیرِ عنوان قطعات بہت زیادہ اہم ہیں۔ انداز دیکھیے:

ہزار بار حکیموں نے اس کو سلجھایا
مگر یہ مسئلۂ زن رہا وہیں کا وہیں
قصور زن کا نہیں ہے کچھ اس خرابی میں
گواہ اس کی شرافت پہ ہیں مہ و پرویں
فساد کا ہے فرنگی معاشرت میں ظہور
کہ مرد سادہ ہے بیچارہ زن شناس نہیں(۷)

کوئی پوچھے حکیمِ یورپ سے
ہند و یوناں ہیں جس کے حلقہ بگوش!
کیا یہی ہے معاشرت کا کمال؟
مرد بیکار و زن تہی آغوش!(۸)

اک زندہ حقیقت مرے سینے میں ہے مستور
کیا سمجھے گا وہ جس کی رگوں میں ہے لہو سرد
نے پردہ، نہ تعلیم، نئی ہو کہ پرانی
نسوانیتِ زن کا نگہباں ہے فقط مرد
جس قوم نے اس زندہ حقیقت کو نہ پایا
اُس قوم کا خورشید بہت جلد ہوا زرد(۹)

فارسی کلام میں آزادیِ نسواں اور اس کے مضر اثرات کے ضمن میں **رموز بے خودی** کا 'درمعنیِ ایں کہ بقائے نوع از امومت است و حفظ و احترام امومت اسلام است' کے زیرِ عنوان مرقوم حصہ اہمیت کا حامل ہے۔ اس حصے میں جیسا کہ اس سے پیش تر ذکر ہوا کہ ایک روشن خیال مغرب زدہ عورت کا تقابل ایک جاہل اور سادہ مگر امومت کے درجے پر سرفراز عورت کے ساتھ کر کے طبقۂ نسواں میں حقیقی اسلامی معاشرتی شعور اجاگر کیا گیا ہے۔ یہاں اقبال مسلم عورت کو ایسی 'روشن خیال' عورت سے ہوشیار رہنے کی تلقین کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

بند ہائے ملّتِ بیضا گسیخت

تا ز چشمش عشوہ ہا حل کردہ ریخت
شوخ چشم و فتنہ زا آزادیش
از حیا نا آشنا آزادیش
علم او بارِ امومت بر نتافت
بر سرِ شامش یکے اختر نتافت
ایں گل از بستانِ ما نارستہ بہ
داغش از دامانِ ملت شستہ بہ(١٠)

(ایسی عورت نے ملتِ اسلامیہ کے تمام تر ضابطے اور قوانین توڑ ڈالے، تب کہیں جا کر اس کی آنکھوں نے عشوہ طرازی سیکھی ہے۔ یہ شوخ چشم ہے اور اس کی آزادی نہ صرف فتنہ و فساد برپا کرتی ہے بل کہ کہنا چاہیے کہ یہ آزادی حیا سوز ہے۔ اس کی علمیت امومت کا بوجھ نہ سہار سکی اور اس کی زندگی کی شام پر ایک بھی ستارہ نہ چمک سکا۔ حقیقت یہ ہے کہ ایسے پھول کا ہماری ملت کے باغ میں نہ کھلنا ہی بہتر ہے اور ملّت کے دامن سے اس داغ کا دھل جانا ہی اچھا ہے۔)

اسی طرح اس مجموعے میں 'خطاب بہ مُخدّراتِ اسلام' کے عنوان سے لکھے گئے ابیات میں اقبال 'آزادیِ نسواں' کے تناظر میں مسلم عورت کے لیے عہدِ حاضر کو امتحان گردانتے ہیں اور اس امر کے خواہاں ہیں کہ وہ اس چکاچوند ترقی سے گریز کرتے ہوئے سرمایۂ ملت یعنی فرزندانِ ملت کی جانب اپنی توجہ مرکوز رکھے:

دورِ حاضر تن فروش و پُر فن است

کاروانش نقدِ دیں را رہزن است
کور و یزداں ناشناس ادراکِ او
ناکساں زنجیریٔ پیچاکِ او
چشمِ او بیباک و ناپرواستے
پنجۂ مژگانِ او گیراستے
صیدِ اُو آزاد خواند خویش را
کشتۂ او زندہ داند خویش را
آب بند نخلِ جمعیت توئی
حافظ سرمایۂ ملّت توئی
از سرِ سود و زیاں سودا مزن
گام جز بر جادۂ آبا مزن
ہوشیار از دست بردِ روزگار
گیر فرزندانِ خود را در کنار
ایں چمن زاداں کہ پر نکشادہ اند
ز آشیانِ خویش دور افتادہ اند(١١)

(زمانہ حاضر تن فروش اور پُر فن ہے۔ اس کا قافلہ دین کی پونجی کے لیے راہ زن کی حیثیت رکھتا ہے۔ کم زور لوگ اس کے پھندے میں پھنس جاتے ہیں۔ نئے دور کی آنکھ بے باک اور بدلحاظ ہے اور اس کی پلکوں کے پنجے وسعت رکھتے ہیں۔ اس کے شکار خود کو آزاد سمجھتے ہیں اور اس کے ہاتھوں مارے گئے خود کو زندہ شمار کرتے ہیں۔ اے عورتو! ملت کے پودے کو سیراب کرنے والی

تم ہو اور ملت کی حفاظت کا سرمایہ بھی تمھی ہو۔ تم نفع ونقصان کے
خوف سے سودا نہ کرو بل کہ اپنے اباؤ اجداد کے راستے کے سوا کسی
راستے پر مت چلنا۔ زمانے کی یلغار سے ہوشیار ہو کر رہو اور اپنے
بیٹوں کو اپنے پہلوؤں میں چھپا لو۔ ملتِ اسلامیہ کے چمن کے
پالے ہوئے ان بچوں نے ابھی اپنے پر نہیں پھیلائے کہ وہ باغ
ملّت سے دور جا پڑے ہیں۔)

اقبال نے **جاوید نامہ** میں ڈرامائی کردار 'دوشیزۂ مریخ' (جس کا گذشتہ سطور میں بھی ذکر ہوا) کے کردار کے ذریعے اس نقطۂ نظر کا ادراک بھرپور طور پر کرایا ہے۔ 'احوالِ دوشیزہ مریخ کہ دعوائے رسالت کردہ اند' کے زیرعنوان وہ رسالت کی دعوے دار مریخ کی دوشیزہ کا جدت سے ہم آہنگ حلیہ کھینچنے کے بعد 'مقامِ مرد وزن' کے متعلق 'ارشادات' رقم کرتے ہیں۔ یہ نبیّۂ مریخ خصوصیت کے ساتھ طبقۂ نسواں سے مخاطب ہے اور کہتی ہے کہ دل بری چھوڑو کہ یہ عین محکومی ومظلومی ہے۔ مرد تمھارے حسن کا نخچیر ہونے کے باوصف نخچیری میں صیادی کرتا ہے اور تمھیں گرد مکروفریب کی زنجیروں میں جکڑ لیتا ہے، تمھیں دردوغم دیتا ہے، آزارِ حیات سے ہم کنار کرتا ہے، اُس کا وصل، زہر اور اس کا فراق تمہارے لیے نبات ہے ___ امومت کی زردروئی سے بچو اور 'آزادیِ بے شوہراں' کی تمنّا کرو:

اے زناں! اے مادراں! اے خواہراں!
زیستن تا کے مثالِ دلبراں؟
دلبری اندر جہاں مظلومی است
دلبری محکومی و محرومی است
در دو گیسو شانہ گردانیم ما

مرد را نخچیرِ خود دانیم ما
مرد صیّادی بہ نخچیری کند
گردِ تو گردد کہ زنجیری کند
خود گدازیہائے او مکر و فریب
درد و داغ و آرزو مکر و فریب!
گرچہ آں کافر حرم سازد ترا
مبتلائے درد و غم سازد ترا
ہمبرِ او بودن آزارِ حیات
وصلِ او زہر و فراقِ او نبات
مارِ پیچاں! از خم و پیچش گریز
زہر ہایش را بخونِ خود مریز!
از امومت زرد روے مادراں!
اے خنک آزادیٔ بے شوہراں!(۱۲)

(اے عورتو! ماؤ اور بیٹیو! تم کب تک محبوباؤں کی سی زندگی گزارتی رہوگی؟ اس دنیا میں بیوی بن کر رہنا محکومی، مظلومی اور لطف زندگی سے محرومی کے سوا کچھ نہیں ہے۔ ہم عورتوں کا شیوہ یہ ہے کہ ہم اپنی زلفیں سنوار کر مرد کو اپنا اسیر کر لیتی ہیں۔ مرد پہلے تو تمھارا شکار ہو جاتا ہے لیکن عقد کے بعد تمھیں اپنا پابند بنا کر صیادی کرتا ہے۔ اس کا تمھارے سامنے عشق ومحبت کا اظہار کرنا ایک دھوکے کے سوا کچھ نہیں ہے۔ تمھاری خاطر اس کا کرب والم کا اظہار، اس کی

آرزوئیں، امنگیں اور وارفتگیاں سبھی مکروفریب ہیں۔ بظاہر وہ کافر تمھیں حرم کا درجہ دیتا ہے لیکن درحقیقت وہ تمھیں محبوس کر کے درد وغم میں مبتلا کر دیتا ہے۔ اس کے پہلو میں رہنا زندگی کو پابندیوں میں جکڑنا اور خود کو اذیت دینے کے مترادف ہے۔ اس (مرد) کا وصل زہر اور اس کا فراق مصری کی ڈلی کی طرح ہے۔ وہ مارِ پیچاں کے مانند ہے۔ تم اس کے مکروفریب کے پیچ وخم سے بچو اور اس کا زہر اپنے خون میں مت شامل کرو کیوں کہ ماں بن کر عورتیں زرد چہرہ ہو جاتی ہیں۔ وہ آزادی کتنی اچھی ہے جو شوہر کے نہ ہونے سے عورت کو ملتی ہے۔)

اقبال حقوقِ نسواں کی ذیل میں پردے کے مسئلے پر اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے نسوانی حیا کو مقدم گردانتے ہیں اور اس حوالے سے ان کے ہاں دونوں پہلو ملتے ہیں یعنی اول یہ کہ عورت کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے امور باپردہ سرانجام دے، دوسرا پردے میں رہتے ہوئے بھی حیا سوز کام نہ کرے۔ خاص طور پر اقبال برعظیم کے معاشرتی واخلاقی نظام میں پردے کو بہت ضروری خیال کرتے تھے اور اسے معاشرتی استحکام کی ضمانت قرار دیتے نظر آتے ہیں۔ اپنے مضمون: ''قومی زندگی'' میں انھوں نے مغربی تہذیب سے اثر پذیر مسلمانوں کی پردے کے دستور کی مخالفت کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ یہ جدید طرزِ خیال کے حامل مسلمان ''اس بات پر زور دیتے ہیں کہ اسلام کے ابتدائی زمانے میں اور حال کے دیگر اسلامی ممالک میں پردے کی یہ صورت نہیں تھی، جو آج کل ہندوستان میں ہے۔ لیکن اگر غور کر کے دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ ہندوستان میں پردے پر سخت زور دیا جانا اخلاقی وجوہ پر مبنی تھا۔ چوں کہ اقوامِ

ہندوستان نے اخلاقی لحاظ سے کچھ بہت ترقی نہیں کی، اس واسطے اس دستور کو یک قلم موقوف کر دینا میری رائے میں قوم کے لیے نہایت مضر ہوگا۔ ہاں اگر قوم کی اخلاقی حالت ایسی ہو جائے جیسی کہ ابتدائے زمانۂ اسلام میں تھی تو اس کے زور کو کم کیا جا سکتا ہے اور قوم کی عورتوں کو آزادی سے افراد کے ساتھ تبادلۂ خیالات کرنے کی عام اجازت ہو سکتی ہے۔'' (۱۳) اسی طرح علامہ نے انجمن مسلم خواتین، مدراس سے خطاب فرماتے ہوئے کہا:

''.....پردے کے متعلق اسلام کے احکام صاف اور واضح ہیں۔ 'غض بصر' کا حکم ہے اور وہ اس لیے کہ زندگی میں ایسے وقت بھی آتے ہیں جب عورت کو غیر محرم کے سامنے ہونا پڑتا ہے۔ خاص اس وقت کے لیے حکم ہے، دیگر حالات کے لیے اور احکام ہیں___ پردے کے سلسلے میں اسلام کا عام حکم عورت کو یہ ہے کہ وہ اپنی زینت کو ظاہر نہ کرے.....'' (۱۴)

پردے کے معاملے میں اقبال کے ہاں یہ نقطۂ نظر بھی ملتا ہے کہ خود قدرت کا منشا یہی ہے، اسی لیے عورت کے لیے جلوت کے بجائے خلوت کو پسندیدہ سمجھا گیا ہے۔ اقبال کی ۱۹۲۹ء میں حیدرآباد، دکن میں مصروفیات کے دوران آپ سے استفسار کیا گیا کہ پردے کی تنسیخ کے حوالے سے آپ کے کیا احساسات ہیں تو آپ نے فرمایا کہ: ''میں اس معاملے کے متعلق تحقیقی طور پر کچھ نہیں کہہ سکتا کیوں کہ میں نے فقہ اسلامی کے اس مسئلے کی تفتیش نہیں کی۔'' (۱۵) پھر مزاحاً کہا: ''مجھے قانونِ قدرت ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ زندگی کے ذرائع کو پوشیدہ رکھنے کا عادہ ہے.....'' (۱۶) یاد رہے کہ یہ پہلو اقبال کے شاعرانہ خیالات کا حصہ بھی بنا ہے، مثلاً دیکھیے **ضرب کلیم** کے قطعے

'خلوت' میں لکھتے ہیں:

رسوا کیا اس دور کو جلوت کی ہوس نے
روشن ہے نگہ آئینۂ دل ہے مکدّر
بڑھ جاتا ہے جب ذوقِ نظر اپنی حدوں سے
ہو جاتے ہیں افکار پراگندہ و ابتر!
آغوشِ صدف جس کے نصیبوں میں نہیں ہے
وہ قطرۂ نیساں کبھی بنتا نہیں گوہر
خلوت میں خودی ہوتی ہے خودگیر ولیکن
خلوت نہیں اب دیر وحرم میں بھی میسّر!(۱۷)

پردہ اسی خلوت کا نام ہے اور اقبال نے تو بعض اوقات پردے کے موضوع کو ایمائی رنگ میں برتا ہے، مثلاً **ضربِ کلیم** میں 'عورت' کے مرکزی عنوان سے قطعات رقم کرتے ہوئے وہ 'پردہ' کے موضوع پر جو اشعار سپردِ قلم کرتے ہیں، ان میں وہ اسے پنہاں ہونے یا ظاہر نہ ہونے سے استعارہ قیاس کرتے ہوئے یوں معنی آفرینی کر گئے ہیں:

بہت رنگ بدلے سپہرِ بریں نے
خدایا یہ دنیا جہاں تھی وہیں ہے
تفاوت نہ دیکھا زن و شو میں مَیں نے
وہ خلوت نشیں ہے! یہ خلوت نشیں ہے!
ابھی تک ہے پردے میں اولادِ آدم
کسی کی خودی آشکارا نہیں ہے!(۱۸)

کہیں وہ اصلاحِ احوال کے لیے اس موضوع پر طنزیہ ومزاحیہ آہنگ میں اکبر الہ آبادی کا رنگ ڈھنگ بھی اپنا لیتے ہیں جس کی واضح نمود **بانگِ درا** کے ظریفانہ قطعات میں ہوئی ہے، انداز دیکھیے:

شیخ صاحب بھی تو پردے کے کوئی حامی نہیں
مفت میں کالج کے لڑکے ان سے بدظن ہو گئے
وعظ میں فرما دیا کل آپ نے یہ صاف صاف
''پردہ آخر کس سے ہو جب مرد ہی زن ہو گئے''(۱۹)

یہ کوئی دن کی بات ہے، اے مردِ ہوشمند!
غیرت نہ تجھ میں ہو گی، نہ زن اوٹ چاہے گی
آتا ہے اب وہ دور، کہ اولاد کے عوض
کونسل کی ممبری کے لیے ووٹ چاہے گی(۲۰)

اسی طرح کہیں تحسینی اسلوب اپناتے ہیں، مثلاً **رموزِ بے خودی** میں 'خطاب بہ مُخدّراتِ اسلام' کے تحت اقبال نے عورت کے ظاہری اور داخلی حجاب کو پسندیدہ قرار دیتے ہوئے، بالکل آغاز ہی میں لکھا ہے:

اے ردایت پردۂ ناموسِ ما
تابِ تو سرمایۂ فانوسِ ما
طینتِ پاک تو ما را رحمت است
قوّتِ دین و اساسِ ملّت است(۲۱)

(اے مسلمان عورت! تیری چادر ملت کی ناموس کا پردہ ہے۔ تیری

آب وتاب ہماری ملت کے فانوس کے لیے سرمایے کی حیثیت رکھتی ہے۔ تیری پاک سرشت ہمارے لیے باعثِ رحمت ہے۔ یہ ہمارے دین کی قوت کا سبب ہے اور ملتِ اسلامیہ کی اساس بھی اسی پر ہے۔)

اسی طرح ارمغانِ حجاز (فارسی) کی دو بیتیوں میں علامہ نے 'دخترانِ ملت' کے زیرِعنوان مسلم عورت کو آرائش و زیبائش اور نمود و نمائش سے گریز کی تلقین کرتے ہوئے اپنی تیغِ نگاہ کو حیا سے آب دینے کی ترغیب دلائی ہے۔ یوں یہاں بھی ہر دوطرح کی نسوانی حیا کا ذکر ہو جاتا ہے، رنگ کچھ یوں ہے:

بہل اے دخترک ایں دلبری ہا
مسلماں را نہ زیبد کافری ہا
منہ دل بر جمالِ غازہ پرورد
بیاموز از نگہ غارت گری ہا(۲۲)

(اے ننھی لڑکی! نازوانداز کی نمائش ترک کردے کہ مسلمان کو شیوۂ کافری زیب نہیں دیتا۔ اپنا دل ظاہری حسن و جمال کی آرائش و زیبائش پر مت لگا بل کہ دل کی نگاہ سے ہنگامے برپا کرنا سیکھ لے۔)

نگاہِ تُست شمشیرِ خداداد
بزخمش جانِ ما را حق بما داد
دلِ کامل عیار آں پاک جاں برد

کہ تیغِ خویش را آب از حیا داد(۲۳)

(اے عورت! تیری نگاہ خداداد شمشیر ہے۔ تو اس کے وار سے ہماری روح کو گھائل کر کے حق ادا کردے۔ اس لیے کہ وہی پاک فطرت عورت ایک پرخلوص اور سچا دل اڑا لے جاتی ہے جو اپنی نگاہ کے تلوار کو حیا سے آب وتاب دیتی ہے۔)

اقبال عورت کو عصرِ حاضر کی چکاچوند سے بچنے کا مشورہ دیتے ہیں اور اس امر کی طرف توجہ دلاتے ہیں کہ اگر تمھیں جہاں تابی ہی سیکھنی ہے تو نورِ حق سے سیکھو جو حجاب میں صدہا تجلیاں سمیٹے ہوئے ہے:

ضمیرِ عصرِ حاضر بے نقاب است
کشادش در نمودِ رنگ و آب است
جہانتابی ز نورِ حق بیاموز
کہ او با صد تجلّی در حجاب است(۲۴)

(زمانہ حاضر کا باطن بے نقاب اور واضح ہے کیوں کہ اس کا ظہور خارجی چمک دمک کی نمود سے عبارت ہے۔ اے عورت! تو نورِ حق کی طرح دنیا کو روشن کرنا سیکھ، بالکل اسی طرح جیسے ذاتِ حق حجاب میں سیکڑوں تجلیات رکھتی ہے۔)

گویا اقبال کے مطابق عورت کا 'آزادیِ نسواں' کے حقوق کے نام پر نسوانی حیا کو قربان کرنا درست نہیں ہے بل کہ عورت کو خود یہ شعور ہونا چاہیے کہ عفت و عصمت کے ساتھ جینا اور معاشرے میں حفظ و احترامِ نسواں کا قائم رہنا اس کے لیے کوئی پابندی یا جکڑ بندی نہیں بل کہ اس کا بنیادی حق ہے، جو اُسے قدرت نے ودیعت کیا ہے۔

حقوقِ نسواں کی ذیل میں علامہ نے عورتوں کی تعلیم کو ان کا بنیادی حق شمار کیا ہے۔ اقبال تعلیمِ نسواں کے ہرگز مخالف نہیں ہیں لیکن اگر یہی تعلیم ان کے فریضۂ امومت یا نسوانی حیا کی راہ میں حائل ہو جائے، تو وہ ان کے نزدیک ناپسندیدہ ٹھہرتی ہے___ ''قومی زندگی'' میں عورتوں کی تعلیم کی غرض و غایت اور ضرورت و اہمیت پر روشنی ڈالتے ہوئے، اقبال نے جن خیالات کا اظہار کیا، وہ لائق داد ہیں، فرماتے ہیں:

''.....عمومیات کو چھوڑ کر اگر خصوصیات پر نظر کی جائے تو عورتوں کی تعلیم سب سے زیادہ توجہ کی محتاج ہے۔ عورت حقیقت میں تمام تمدن کی جڑ ہے۔ 'ماں' اور 'بیوی' دو ایسے پیارے لفظ ہیں کہ تمام مذہبی اور تمدنی نیکیاں ان میں مستتر ہیں۔ اگر ماں کی محبت میں حبِ وطن اور حبِ قوم پوشیدہ ہے، جس میں سے تمام تمدنی نیکیاں بہ طور نتیجے کے پیدا ہوتی ہیں تو بیوی کی محبت اس سوز کا آغاز ہے جس کو عشقِ الٰہی کہتے ہیں۔ پس ہمارے لیے ضروری ہے کہ تمدن کی جڑ کی طرف اپنی توجہ مبذول کریں اور اپنی قوم کی عورتوں کو تعلیم کے زیور سے آراستہ کریں۔ مرد کی تعلیم صرف فردِ واحد کی تعلیم ہے مگر عورت کو تعلیم دینا حقیقت میں تمام خاندان کو تعلیم دینا ہے۔ دنیا میں کوئی قوم ترقی نہیں کر سکتی، اگر اس قوم کا آدھا حصہ جاہل مطلق رہ جائے، لیکن اس ضمن میں ایک غور طلب سوال پیدا ہوتا ہے کہ آیا مشرقی عورتوں کو مغربی طریق کی تعلیم دی جائے یا کوئی ایسی تدابیر اختیار کی جائیں جس سے ان کے وہ شریفانہ اطوار جو مشرقی دل و دماغ کے ساتھ خاص ہیں، قائم رہیں۔ میں نے اس سوال پر غور و فکر کیا ہے مگر چوں کہ ابھی ملک کسی قابلِ عمل نتیجے پر

نہیں پہنچا، اس واسطے فی الحال میں اس بارے میں کوئی رائے نہیں دے سکتا.....'' (۲۵)

اس سلسلے میں اقبال کے مضمون: ''ملّتِ بیضا پر ایک عمرانی نظر'' میں ایک واضح رائے نظر آتی ہے اور عورتوں کی تعلیم کی نوعیت کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''.....ہماری جماعت کا شیرازہ اسی وقت تک بندھا رہ سکتا ہے جب تک کہ مذہب اسلام اور تہذیب اسلام کو ہم پر قابو ہے۔ چوں کہ عورت کے دل و دماغ کو مذہبی تخیل کے ساتھ ایک خاص مناسبت ہے، لہٰذا قومی ہستی کی مسلسل بقا کے لیے یہ بات نہایت ہی ضروری ہے کہ ہم اپنی عورتوں کو ابتدا میں ٹھیٹھ مذہبی تعلیم دیں۔ جب وہ مذہبی تعلیم سے فارغ ہو چکیں تو ان کو اسلامی تاریخ، علم تدبیر، خانہ داری اور علم اصول حفظِ صحت پڑھایا جائے۔ اس سے اُن کی دماغی قابلیتیں اس حد تک نشو و نما پا جائیں گی کہ وہ اپنے شوہروں سے تبادلۂ خیالات کر سکیں گی اور امومت کے فرائض خوش اسلوبی سے انجام دے سکیں گی، جو میری رائے میں عورت کے فرائض اوّلیں ہیں۔ تمام وہ مضامین جو ان میں نسائیت کی نفی کرنے یا اسلام کی حلقہ بگوشی سے انھیں آزاد کرنے والے ہوں، بہ احتیاط ان کے نصابِ تعلیم سے خارج کر دینے چاہییں لیکن ہمارے نکتہ آموز ابھی تک اندھیرے میں رستہ ٹٹولتے پھرتے ہیں۔ انھوں نے ابھی تک ہماری لڑکیوں کے لیے کوئی خاص نصابِ تعلیم معین و مرتب نہیں کیا.....'' (۲۶)

اقبال کو اس امر کا شعور تھا کہ کم تعلیم یافتہ خواتین ہندوستان کے سیاسی

منظرنامے میں مسلمانوں کے پس ماندہ رہ جانے کا سبب بن رہی ہیں۔ اس حوالے سے ان کا وہ بیان جو انھوں نے آل انڈیا مسلم لیگ، لاہور کے جنرل سیکرٹری کی حیثیت سے نہرو رپورٹ کے متعلق ۲۰/اگست ۱۹۲۸ء کو ایسوسی ایٹڈ پریس کو دیا، بہت اہم ہے۔ اس بیان میں وہ دیگر شعور آمیز نکات کے علاوہ مسلم خواتین کے حوالے سے اس خدشے کا اظہار کرتے ہیں کہ: ''مسلمان نابالغہ خواتین کو تمام صوبے کی بالغہ خواتین میں ۵۵ فیصد کی نسبت حاصل ہے، لیکن وہ مقابلتاً غیر تعلیم یافتہ اور بے حد قدامت پسند ہیں، اس لیے عرصہ دراز تک ان کا پولنگ اسٹیشن پر ووٹ دینے کے لیے جانا محال ہے۔ غیر مسلم خواتین مقابلتاً زیادہ ترقی یافتہ ہیں، اس لیے وہ زیادہ تعداد میں رائے دینے کے لیے جائیں گی۔ اس لیے مسلمانوں کی نشستوں کی تعداد کو نقصان پہنچے گا۔ گذشتہ انتخاب سے مسلم خواتین کی قدامت پسندی کا ثبوت بہم پہنچ گیا ہے۔''(۲۷) اقبال اس حقیقت کا دل سے اعتراف کرتے ہیں کہ مسلم خواتین کو تعلیم کے میدان میں آگے بڑھنا چاہیے اور اس ضمن میں وہ ایسی خواتین کی حوصلہ افزائی کرتے ہیں جو اس میدان میں کوشاں رہیں۔ یہاں **روزگارِ فقیر** میں مندرج ایک واقعہ یاد آتا ہے کہ پیسہ اخبار کے ایڈیٹر اور مالک مولوی محبوب عالم کی بیٹی فاطمہ بیگم نے عورتوں اور مسلمان بچیوں کی تعلیم و تربیت کے لیے متعدد ادارے قائم کرنے میں اہم کردار ادا کیا اور اس کام میں انھیں کافی مشکلات درپیش آئیں۔ وہ مشکل مواقع پر اقبال سے مشاورت کرتیں جو ان کی ہمت بندھاتے۔ ایک موقعے پر جب انھوں نے علامہ سے شکایت کی کہ نہ صرف میری راہ میں روڑے اٹکائے جاتے ہیں بل کہ خود مسلمان لڑکیوں میں تعلیم کا فطری ذوق وشوق نہیں تو اقبال نے انھیں مایوسی سے بچنے اور دل برداشتہ نہ ہونے کی تلقین کرتے ہوئے اس کام کو جاری رکھنے کو کہا اور فرمایا: ''تمھارا کام تو زمین ہموار کرنا اور اس میں پودا لگانا ہے، یہ پودا ایک دن خود بہ خود تناور درخت بن جائے گا اور پھول لائے گا۔''(۲۸) اسی

طرح **اقبالنامہ** میں شامل بعض خطوں میں اقبال عورتوں کی تعلیم پر زور دیتے نظر آتے ہیں، مثلاً حاجی نواب محمد اسمٰعیل خاں کے نام ایک خط میں اس امر پر افسوس کا اظہار کرتے ہیں کہ مسلمان لڑکیاں جغرافیہ نہیں جانتیں۔ وہ ان کے تالیف کردہ رسالے کی بابت لکھتے ہیں کہ:

> ''حالاتِ زمیں یعنی جغرافیہ..... میری رائے ناقص میں ایک بہت بڑی کمی کو پورا کرتا ہے۔ میں نے بارہا دیکھا ہے کہ مسلمان مستورات بوجہ جغرافیہ نہ جاننے کے اخبار اچھی طرح سمجھ نہیں سکتیں۔ آپ کا رسالہ ان کے لیے ازبس مفید ہوگا۔ قطع نظر اس کے کہ ان کو موجودہ دنیا کے واقعات سمجھنے میں سہولت ہوگی، اس رسالے کے مطالعے سے ان کے دائرۂ نظر میں بھی وسعت پیدا ہوگی۔''(۲۹)

البتہ اقبال عورتوں کے الگ نصاب کے قائل ہیں اور ان کی تعلیم کو بغیر کسی شدید ضرورت کے معاشی کفالت کا ذریعہ بنانے کے حق میں نظر نہیں آتے ___ خصوصاً عورتوں کی تہذیب و تربیت کے لیے انھیں مغربی طرزِ تعلیم کسی طرح گوارا نہیں ہے اور اپنے مواقف کی ترسیل کے لیے انھوں نے مختلف پیرایہ ہاے بیان اختیار کرتے ہوئے اپنی شاعری میں توضیح کر دی ہے۔ یہاں اوّلاً **بانگِ درا** کے ظریفانہ قطعات ملاحظہ ہوں:

لڑکیاں پڑھ رہی ہیں انگریزی
ڈھونڈ لی قوم نے فلاح کی راہ
روشِ مغربی ہے مدِّنظر
وضعِ مشرق کو جانتے ہیں گناہ

یہ ڈراما دکھائے گا کیا سین؟
پردہ اٹھنے کی منتظر ہے نگاہ(۳۰)

ثانیاً **ضربِ کلیم** میں 'عورت اور تعلیم' کے زیرِ عنوان قدرے وضاحت سے فرماتے ہیں:

تہذیبِ فرنگی ہے اگر مرگِ امومت
ہے حضرتِ انساں کے لیے اس کا ثمر موت!
جس علم کی تاثیر سے زن ہوتی ہے نازن
کہتے ہیں اسی علم کو اربابِ نظر موت!
بیگانہ رہے دیں سے اگر مدرسۂ زن
ہے عشق و محبت کے لیے علم و ہنر موت!(۳۱)

اقبال نے حقوقِ نسواں پر اظہارِ خیال کرتے ہوئے عورتوں کے شادی، طلاق اور وراثت سے متعلق شرعی حقوق سے بھی بحث کی ہے خصوصاً خانگی و سماجی زندگی میں خواتین کو جن مختلف حقوق سے محروم رکھا جاتا ہے اور خود انھیں اس کا شعور تک نہیں ہوتا___ اقبال کی توجہ کا خصوصی مرکز بنتے ہیں۔ علامہ کی نثری نگارشات میں اس موضوع پر کثرت سے بیانات ملتے ہیں جن میں شریعت اور قانون کی روشنی میں طبقۂ نسواں کو مختلف حقوق کا شعور دلانے کی کاوش کی گئی ہے۔ اقبال نے وراثت کے معاملات، حقِ طلاق، نکاح میں رضامندی (پسند کی شادی)، تعددِ ازدواج___ جیسے ان تمام مسائل کو چھیڑا ہے جن کے حوالے سے جائز حقوق نہ ملنے پر عورت سراپا احتجاج بن جاتی ہے حال آں کہ اُسے مذہب اور شریعت کی رو سے ان تمام مسائل پر تسلی بخش حل فراہم کر دیئے گئے ہیں۔ اقبال سمجھتے ہیں کہ عورت نے خود کبھی ان حقوق کو جاننے کی کوشش نہیں کی اور اپنی جہالت اور عدم شعور کے باعث وہ شریعت کے اصولوں کو

'آزادیِ نسواں' اور 'حقوقِ نسواں' سے متصادم تصور کرتی ہے۔ ان کا یہ خیال ہے کہ عورت کے شرعی حقوق سے محرومی میں پس ماندہ معاشرہ اور اس کی رسوم و رواج بھی دخیل ہیں۔ چناں چہ وہ اسے رواجی و سماجی کے بجائے شرعی و اسلامی حقوق کے حصول پر اکساتے ہیں اور انھیں اس امر کا احساس دلانے کے خواہاں ہیں کہ شرع میں عورت کے لیے بہت زیادہ سہولیات ہیں۔ اقبال نے عورتوں کے شرعی حقوق کے مسئلے کو پوری سنجیدگی سے توجہ دی ہے اور اقبال نے انجمن مسلم خواتین، مدراس کے سپاس نامے کے جواب میں دیئے گئے پیغام میں کہا کہ:

''مجھے قانون پیشہ ہونے کی وجہ سے کئی بار عدالتوں میں لڑکیوں کے حقوق کے لیے لڑنا پڑا اور کئی دفعہ یہ خدمت میں نے بغیر فیس کے انجام دی ہے.....''(۳۲)

وہ اس امر کی وضاحت کرتے ہیں کہ اسلام میں عورت اور مرد میں فرائض کے اختلافات کے ساتھ قطعی مساوات موجود ہے اور یہ کہ دونوں ایک دوسرے کی محافظت کرتے ہیں۔ اقبال نے مذکور سپاس نامے میں واضح طور پر یہ بھی کہا کہ: ''اگر آپ ان ولایت پر نظر ڈالیں جو اسلام نے عورتوں کو دیے ہیں تو آپ پر واضح ہو جائے گا کہ اس مذہب نے عورت کو کسی طرح مرد سے ادنیٰ درجے پر نہیں رکھا۔''(۳۳) نیز اسی تقریر میں مثالیں دیتے ہوئے وہ تصریح کرتے ہیں کہ یہ اسلام ہی ہے جس نے اول اول عورت کو بچوں کی وراثت کا اور الگ جائداد کا حق دیا جو کہ یورپ میں نہیں___ ۱۸۸۸ء تک کوئی انگریز اپنی مرحوم بیوی کی بہن سے شادی نہیں کر سکتا تھا جب کہ اسلام میں آغاز ہی سے اجازت ہے___ انگریز ماں کو اولاد کی ولایت کا حق حاصل نہیں جب کہ یہ بھی اسلام میں ہمیشہ سے موجود ہے۔ مغرب میں عورت کا طلاق لینا ہمیشہ سے مشکل رہا، اسلام میں کبھی یہ مشکل ہی پیدا نہ ہوئی۔ اس لیے انگلستان میں جب طلاق کی آسانی

ہوئی تو عورتوں نے عدالتوں میں کثرت سے درخواستیں دیں حال آں کہ سمجھا یہی جاتا ہے کہ مرد عورت کو جلد طلاق دے دیتا ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ عورت کو شعور اور تعلیم کی کمی کے خود اپنے شرعی حقوق سے واقفیت نہیں ہے۔ مذکور سپاس نامے کے جواب میں اقبال نے اس تقابل کے تناظر میں بڑے مدلل انداز میں فرمایا:

''..... جہاں تک شریعتِ اسلامی کا تعلق ہے، مسلمان عورتیں یہ سکایت نہیں کر سکتیں کہ انھیں شریعت نے حقوق نہیں دیئے یا وہ حقوق ایسے ہیں جس سے انھیں مردوں کے ساتھ مساوات کا درجہ حاصل نہیں۔ وہ حق، جس کا عورت انصاف و عقل کے ساتھ کبھی مطالبہ کر سکتی ہے، وہ قرآن پاک نے دے دیا ہے۔ اگر آپ اس سے جاہل و غافل رہیں یا اس سے فائدہ نہ اٹھائیں یا اس کے حاصل کرنے پر اصرار نہ کریں، بہ وقت ضرورت قانونی چارہ جوئی نہ کریں تو یہ قرآن یا شریعتِ اسلام کا قصور نہیں.....'' (۳۴)

اقبال نے اسی سپاس نامے میں خواتین کی جانب سے عائد کردہ اس اعتراض کی وضاحت بڑے بھرپور انداز میں کی جس کے تحت ان خواتین نے کہا کہ خاندان اور گھر والوں خصوصاً مردوں کے دباؤ کے باعث عورت اپنے حقوق سے محروم کر دی گئی ہے۔ وہ اس بات کی تائید کرتے ہیں لیکن اس سلسلے میں مرد کی عورت کے شرعی حقوق سے آگہی کے ساتھ ساتھ خود عورت کی باخبری اور شعور کی بات کرتے ہیں۔ اقبال نے اس موضوع کو خصوصیت کے ساتھ اہمیت دی، چناں چہ جہاں ایک طرف مردوں کو عدم واقفیت کے باعث عورت کے شرعی حقوق سے محروم رکھنے کا باعث قرار دیتے ہوئے کہا کہ ہم مسلمانوں کو فقہ کی طرف متوجہ ہونا چاہیے۔ نیز یہ کہ:

''.....مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ قرآن پڑھیں، اس کی تعلیم پر غور

کریں۔ پنجاب میں تو اچھی اچھی عدالتوں میں کہہ دیتے ہیں کہ ہم رواج کے پابند ہیں، شریعت کے پابند نہیں۔ محض اس لیے کہ بیٹیوں کو جائداد حصہ نہ دینا پڑے۔ ہم کو کوشش کرنی چاہیے کہ ہم رواج کی قیود سے آزادی حاصل کریں.....'' (۳۵)

تو دوسری طرف وہ خود فرقۂ اناث کو آگے بڑھ کر ایک تحریک کی صورت میں اپنے شرعی حقوق کے حصول کے لیے اکساتے ہوئے نظر آتے ہیں، اسی خطاب میں واضح طور پر فرمایا:

''.....ایک حد تک ضرور مردوں کا قصور ہے مگر ایک دوسری حد تک آپ کا بھی ہے۔ کیوں نکاح کے وقت آپ کے والدین نے لائق اور حقیقت فہم علما سے آپ کے حقوق کے متعلق مشورہ نہیں کیا؟ جن بہنوں کی ابھی شادی نہیں ہوئی، وہ اپنے حقوق کی حفاظت کے لیے اپنے والدین سے اصرار کریں۔ اگر عورتیں اپنے حقوق کی حفاظت کے لیے پورے طور سے آمادہ ہو جائیں اور وہ حق جو شریعت اسلامی نے عورتوں کو دے رکھے ہیں، آپ مردوں سے لے کر رہیں تو میں سچ کہتا ہوں کہ مردوں کی زندگی تلخ ہو جائے۔ عورتیں بچے جننے (۳۶) کی اجرت طلب کر سکتی ہیں، کھانا پکانے کی اجرت بہ ذریعہ عدالت حاصل کر سکتی ہیں۔ مردوں کو آپ الزام دیتی ہیں، مگر آپ خود الزام سے بری نہیں ہیں۔ آپ کو اپنے حقوق پر شدت سے اصرار کرنا چاہیے۔'' (۳۷)

———

''.....جو حقوق ملتِ اسلامیہ نے عورتوں کو دیے ہیں، وہ ان کے حصول پر اصرار کریں۔شوہر، باپ، بھائی کون ایسا سیاہ دل مرد ہوگا، جو آپ کو آپ کے حقوق دینے سے انکار کرے گا۔ہمیں تو ملک میں مسلمانوں کے اندر اس قسم کی رائے عامہ پیدا کر دینی چاہیے کہ جب تک یہ طے نہ پا چکے کہ آیندہ زندگی میں عورت کے کون کون سے حقوق ہوں گے،اس وقت تک نکاح نہ پڑھا جائے۔ یہ تحریک بہت زور سے شروع ہونی چاہیے۔جیسا کہ میں نے کہا کہ مسلمان عورتیں مسلمان قوم کی بہترین روایات کی حفاظت کرسکتی ہیں بشرطے کہ وہ اصلاح کا صحیح اور عقل مندانہ رستہ اختیار کریں اور ترکی یا دیگر یورپین ممالک کی عورتوں کی طرح اندھا دھند تقلید کے درپے نہ ہو جائیں۔''(۳۸)

ہندوستان کی مسلم عورت کو درپیش مسائل میں سرِفہرست مرد کے تعددِ ازدواج کے نتیجے میں عورت کا استحصال ہوتا رہا ہے۔ اقبال اس معاملے کی نزاکت سے آگاہ تھے۔ انھوں نے **علم الاقتصاد** میں اس کے نفسیاتی و معاشی پہلوؤں پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھا ہے کہ بیوی نہ صرف انسان کے قدرتی تقاضوں کو پورا کرتی ہے بل کہ کاروبار میں مدد دے کر اس کی پیداوار محنت پر بڑا اثر کرتی ہے۔ اکثر قوموں نے اس لیے زائد شادیاں کیں کہ افراد کی تعداد میں بھی اضافہ ہو جو جنگ و جدل میں کام آئے۔''تاہم یہ نہ سمجھ لینا چاہیے کہ اقتصادی لحاظ سے تعددِ ازدواج تمدن کی ہر صورت میں مستحسن ہے کیوں کہ اس سے آبادی بہت بڑھتی ہے جو بسا اوقات قوموں کے افلاس کا باعث ہوتی ہے۔''(۳۹) وہ سمجھتے ہیں کہ یہ دستور اصلاح طلب ہے باوجود اس کے کہ اس کا جائز قرار دیا جانا ایک 'دقیق روحانی وجہ' پر مبنی ہے یا پھر اس امر سے قطع نظر کہ ابتدائے اسلام

میں سیاسی و اقتصادی اعتبار سے اس کی ضرورت تھی مگر: ''جہاں تک میں سمجھتا ہوں، موجودہ مسلمانوں کو فی الحال اس کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔موجودہ حالت میں اس پر زور دینا قوم کے اقتصادی حالات سے غافل رہنا ہے اور امرائے قوم کے ہاتھ میں زنا کا ایک شرعی بہانہ دینا ہے.....''(۴۰) مزید تصریح کرتے ہوئے 'شریعتِ اسلام میں مرد اور عورت کا رتبہ' کے زیرعنوان تقریر میں فرمایا کہ اسلام میں یہ حکم نہیں، محض اجازت ہے اور زندگی میں بعض اوقات مخصوص حالات کے تحت تعدد کی ضرورت پڑتی بھی ہے لیکن یہ سچ ہے کہ مسلمان مردوں نے اس اجازت سے بے جا فائدہ اٹھایا۔ اس میں اصول و قوانین کا کیا قصور؟ جس سوسائٹی میں اس قسم کی اجازت نہ ہو، اس کو ضرورت کے وقت جن مشکلات کا سامنا ہوتا ہے، اس سے آپ ناآشنا نہیں.....''(۴۱) فرماتے ہیں کہ قرآن میں مصلحتوں کے تحت اس قسم کی اجازت دی، اس لیے فقہ میں 'فرض' اور 'رخصت' میں فرق ہے، رخصت، تو ترک ہوسکتی ہے، 'فرض' نہیں۔ اس معاملے میں عورت کے شرعی حق کی وضاحت کرتے ہوئے کہتے ہیں:

''.....اگر نکاح کے وقت عورت مرد سے یہ مطالبہ کرے کہ تم اس رخصت کو اپنے حق میں ترک قرار دو، جو تعددِ ازدواج کے بارے میں از روے قرآن تمھیں حاصل ہے، تو وہ اس مطالبے کا حق رکھتی ہے۔ اس سلسلے میں ایک الزام میں لڑکیوں کے باپوں کو بھی دوں گا کہ وہ نکاح کے وقت عورتوں کے حقوق پر نگاہ نہیں رکھتے۔مگر ایک الزام خود عورتوں کو بھی دیئے بغیر نہیں رہ سکتا، وہ یہ کہ کیوں بہ وقتِ ضرورت عورتیں مردوں سے قانونی ذریعے سے حقوق کا مطالبہ نہیں کرتیں؟''(۴۲)

اسی طرح وہ طلاق کی رواجی وسماجی صورتوں کو درست قرار نہیں دیتے اور اس سلسلے میں بھی شرع کی جانب رجوع کرنے کی تلقین کرتے ہیں کہ ان کے مطابق اس میں طبقۂ نسواں کے لیے زیادہ سہولتیں موجود ہیں۔ نیز اقبال اس امر پر تاسف کا اظہار کرتے ہیں کہ:

> ''.....ہمارے علما نے کبھی اس بات کی توضیح ہی نہیں کی کہ نکاح کے وقت عورت کہہ سکتی ہے کہ جو حق اسلام نے تم کو (مرد کو) دیا ہے، وہی اس وقت مجھے (عورت کو) دے دو تو پھر نکاح ہوگا یا یہ حق میرے کسی قریبی تعلق والے کو دے دیا جائے۔ پنجاب میں آج سے دس سال پہلے کسی کو یہ معلوم نہ تھا کہ عورت کو نکاح کے وقت یہ حق بھی حاصل ہے اور نہ جہالت کی وجہ سے آج تک کسی نے یہ دریافت ہی کیا.....''(۴۳)

دوسری طرف وہ اس امر پر روشنی ڈالتے ہیں کہ طلاق تک نوبت پہنچنے میں صغرسنی کی شادی یا پسند اور مرضی کے بغیر شادی کا ہونا بہت اہم اسباب ہیں جن کا تدارک ضروری ہے۔ صغرسنی کی شادی کے ضمن میں جب ہندوستان میں 'شاردا بل' پیش کیا گیا تو اس موقعے پر لاہور نیوز ایجنسی کے نمائندے نے اس حوالے سے اقبال کے خیالات جاننے کے لیے ان سے گفت گو کی جس کی رو سے اقبال نے کہا کہ ابھی اس پر مزید غور کرنا چاہیے، مثلاً اس اعتبار سے قدرے توقف اور مطالعے کی ضرورت ہے کہ ہندوستان میں لڑکی کی شادی چوں کہ ایک اہم فریضہ سمجھا جاتا ہے، اس لیے بوڑھے والدین اپنی زندگی میں اس فرض کو نبھانا چاہتے ہیں، ایسی صورتِ حال میں یہ قانون رکاوٹ بن جائے گا___ نیز یہ کہ اسلام میں اس کی اجازت ہے لیکن ''نابالغ لڑکیوں کو مائیں بن جانے کی برائی کو روکنے کے لیے حکم دیا ہے کہ شادی کے بعد لڑکی جب تک

بالغ نہ ہو جائے، خاوند کے گھر نہ بھیجی جائے۔''(۴۴) دوسری طرف اس پہلو کو بھی نظرانداز نہیں کرنا چاہیے کہ صغرسنی کی شادی کا یہ عیب ہے کہ ''لڑکیاں ابھی لڑکیاں ہی ہوتی ہیں کہ مائیں بن جاتی ہیں۔ اس طرح جو اولاد پیدا ہوتی ہے، وہ کم زور اور منحنی ہوتی ہے۔ میرے خیال میں حکیم نے مرض تو شناخت کر لیا ہے مگر نسخہ تجویز کرنے میں غلطی کی ہے۔''(۴۵) گویا وہ چھوٹی عمر کی شادی کے معائب سے آگاہ ہیں لیکن اس وقت کی صورت حال کے مطابق اس کی معنویت پر غور کرنے کی دعوت دیتے ہیں۔ دوسرا پہلو پسند کی شادی سے متعلق ہے اور اس حوالے سے انھیں اس بات کا ادراک تھا کہ نارضامندی کی شادی مسلمانوں میں نہایت عام ہے اور ان کے مطابق ننانوے فیصد اسلامی گھرانوں میں میاں بیوی کے درمیان نہ نبھنے کا رونا رہتا ہے۔ چناں چہ وہ کسی حد تک منگنی کے دستور کو پسندیدہ گردانتے ہیں لیکن اس کو اس امر سے مشروط کرنے کی تجویز دیتے ہیں کہ میاں بیوی کو شادی سے قبل بزرگوں کی موجودگی میں ملنے کا موقع دیا جائے تاکہ وہ ایک دوسرے کے کسی قدر مزاج آشنا ہو سکیں، لکھتے ہیں:

> ''.....اگر ان کے مذاق قدرتاً مختلف واقع ہوئے ہیں تو منگنی کا معاہدہ فریقین کی خواہش سے ٹوٹ سکے لیکن افسوس ہے کہ موجودہ دستور کے مطابق فانکحوا ماطاب لکم من النساء پر پورا عمل نہیں ہو سکتا۔ لڑکا خواہ منگنی سے پہلے اپنے سسرال کے گھر میں جاتا ہی ہو، منگنی کے بعد تو اس کو اس سے گھر سے ایسی پرہیز کرنی ہوتی ہے جیسے ایک متقی کو مے خانے سے.....اس میں کچھ شک نہیں کہ اس دستور میں بہت سی قباحتیں ہیں، من جملہ ان کے ایک یہ ہے کہ منگنی کے بعد سے شادی کے زمانے تک بعض مسلمان ذاتوں میں بہت سا روپیہ فضول خرچ ہوتا ہے۔ علاوہ اس کے روز کی خانہ جنگیاں اور شکوے شکایت ہوا کرتے ہیں جن

سے جانبین میں ابتدا سے بدمزگی پیدا ہو جاتی ہے اور ان کے نتائج سے
میاں بیوی کی آئندہ زندگی بسا اوقات نہایت تلخ ہو جاتی ہے۔ تاہم
اگر اصلاح کر دی جائے تو میں سمجھتا ہوں کہ یہ دستور مفید ہو سکتا ہے،
کیوں کہ اس میں مغربی دستور 'کورٹ شپ' کی تمام خوبیاں موجود ہیں
اور اس کے نقائص معدوم.....'' (۴۶)

اقبال شادی اور طلاق کے معاملات پر بھی غور و خوض کرتے اور عورت کو اس کے حقوق سے آشنا کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ وہ خواتین کے حقوق کے لیے شرعی مسائل کی عدالتوں کے قیام کے بڑے زبردست حامی تھے، خصوصاً متذکرہ شرعی امور کے ساتھ ساتھ وہ قوانینِ وراثت کے تحت لڑکے اور لڑکی کی معاشی حیثیت میں برابری کی وضاحت کرنا چاہتے ہیں اور اس ضمن میں طبقۂ نسواں کو شعور بھی دلاتے ہیں۔ اقبال **تشکیلِ جدید الٰہیاتِ اسلامیہ** (The Reconstruction of Religious Thought in Islam) میں قانونِ وراثت کی ذیل میں وضاحت کرتے ہیں کہ: ''شریعت اسلامیہ کی رُو سے لڑکی اس سارے جہیز کی خود ہی مالک ہے، جو اسے والدین سے ملتا ہے اور مہر کی بھی جسے اس کی مرضی کے مطابق مؤجل بھی ٹھہرایا جا سکتا ہے۔ اس کے کفاف کی ذمے داری بھی تاحین حیات خاوند ہی پر رہتی ہے۔'' (۴۷)، جو اکثر اوقات وہ خود چھوڑ دیتی ہیں یا انھیں دیا نہیں جاتا اس طرح حقوقِ نسواں پر مبنی متذکرہ نکات سے ظاہر ہے کہ علامہ نے اُن تمام حقوق کی وضاحت کی ہے، جن کے حوالے سے ہندوستان کی مسلم خواتین کو مسائل کا سامنا رہا۔ وہ جابجا یہ استدلال کرتے دکھائی دیتے ہیں کہ اسلام میں جو حقوق عورت کو دیئے گئے ہیں، وہ مغرب کی آزادیِ نسواں کی تحریکوں میں بھی مفقود ہیں۔ نیز ان کے مطابق عورت کو خود ان حقوق سے آشنائی حاصل کرنی چاہیے۔ انھیں خود آگے بڑھ کر مردوں کو

اپنے حقوق سے آگاہ کرانا چاہیے اور مردوں کو بھی عورت کے معاملات میں 'حکمتِ قرآن' کو سمجھنا بہت ضروری ہے تاکہ وہ عورت کو محض لونڈی یا خادمہ متصور کرتے ہوئے اس سے تمام تر فرائض کو نبھانے کا تقاضا تو کریں لیکن اس کے حقوق سے صرفِ نظر کرتے جائیں۔ **رموزِ بے خودی** میں بڑے بلیغ پیرایے میں لکھتے ہیں:

مسلمے کو را پرستارے شمرد
بہرۂ از حکمتِ قرآں نبرد (۴۸)

(وہ مسلمان جو خود کو صحیح معنی میں مسلم شمار کرتا ہے، اسے یاد رکھنا
چاہیے کہ ایسی زندگی قرآن کی حکمت کو جانے اور سمجھے بغیر میّسر نہیں
آسکتی۔)

طبقۂ اناث کے مقام و مرتبے اور ان کے بنیادی حقوق پر روشنی ڈالتے ہوئے اقبال نے اپنے محبوب اسلوب کے تحت بعض خواتین کو بہ طور مثالی کردار کے لیے مسلم خواتین کے سامنے پیش کیا ہے۔ وہ اپنے تصورات و نظریات کی تفہیم کے سلسلے میں ان مثالی خواتین کو بہ طور نمونہ پیش کرتے ہیں اور اس امر کے خواہاں ہیں کہ ان کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے مسلمان خواتین اپنے حقوق کو پہچانیں۔ یہ نسائی کردار اقبال کے شعری مواقف کی پیش کش میں معاون ٹھہرے ہیں۔ کہیں ان کرداروں کے ذریعے تقدیس و تطہیر، جرأت و ہمت اور عشق و تیقن کے مضامین باندھے گئے ہیں تو کہیں ان کو راہِ عمل میں مہمیز کے لیے بہ طور شعری استعاروں کے لایا گیا ہے ___ لیکن ان کے ہاں کلیدی نسائی کردار وہ ہیں جنھیں وہ خود مثالی کرداروں سے تعبیر کرتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ ان کا تتبع اختیار کرنے سے مسلم خواتین ترفع حاصل کر سکتی ہیں۔ اس سلسلے میں سرفہرست حضرت فاطمۃ الزہراؓ ہیں اور اقبال نے سیدہؓ کی شخصیت کو امومت و تربیت، سیرت و کردار اور نیکی و پاکیزگی کے اعتبار سے مسلمان خواتین کے لیے سراپا مثال قرار دیا ہے۔

اقبال نے جہاں انجمن مسلم خواتین، مدراس کے سپاس نامے میں پیش کیے گئے مختلف استفسارات کا جواب دیا بل کہ خواتین کو حضرت فاطمہؓ کی ذاتِ مبارکہ کی تقلید کو اپنا شعار بنانے کی تلقین کی اور فرمایا:

''مسلمان عورتوں کے لیے بہترین اسوہ حضرت فاطمتہ الزہراؓ ہیں۔ کامل عورت بننا ہو تو آپ کو فاطمہ الزہراؓ کی زندگی پر غور کرنا چاہیے۔ عورت کو اپنی انتہائی عظمت تک پہنچنے کے لیے فاطمہؓ کا نمونہ بہترین نمونہ ہے۔ حضرتِ زہراؓ کی عظمت بیان کرنے کے لیے صرف اتنا کہہ دینا کافی ہے کہ وہ حسینؓ کی ماں تھیں.....''(۴۹)

رموز بے خودی میں اس کی شعری توضیح ملتی ہے جہاں وہ لکھتے ہیں کہ مریمؑ کو فقط عیسیٰؑ سے ایک والدہ ہونے کی نسبت تھی جب کہ سیدہؓ کا اعزاز ہے کہ آپ کو تین اہم نسبتیں حاصل رہیں، وہ حضورؐ کی صاحب زادی تھیں، حضرتِ علیؓ کی زوجہ تھیں اور حسینؓ کی والدہ تھیں۔ وہ ماں کی عظمت اور کردار کو مسلم خواتین کے لیے واضح کر گئی ہیں۔ رموز بے خودی میں 'خطاب بہ مُخدّراتِ اسلام' کے عنوان سے پردہ نشیں عورتوں کو مختلف نصائح کرنے کے بعد بالکل آخر میں عورت کو بہ طور نمونہ حضرت فاطمہؓ کی پیروی کی نصیحت یوں کرتے ہیں:

فطرتِ تو جذبہ ہا دارد بلند
چشمِ ہوش از اسوۂ زہراؓ مبند
تا حسینےؓ شاخِ تو بار آورد
موسمِ پیشیں بگلزار آورد(۵۰)

(اے مسلمان عورت! تیری فطرت میں بے شمار جذبے پنہاں

ہیں۔ تو اپنی نگاہِ ہوش سیّدہ فاطمہؓ کے مثالی نمونے سے دور مت ہٹانا تا کہ تمھارے وجود کی شاخ پر بھی حسینؓ جیسا پھل لگے اور یوں ہماری ملّت کے گلستان میں پھر سے بہار آجائے۔)

اسی مجموعے میں ''درمعنی ایں کہ سیدۃ النساء فاطمتہ الزہرا اسوۂ کاملہ ایست برائے نسائے اسلام'' کے زیرِ عنوان بڑے نادر انداز میں خواتین اسلام کو ان کے تتبع کی دعوت دیتے ہیں۔ اس حصے کے آغاز میں ان کے مرتبے پر روشنی ڈال کر گویا مسلم خاتون کو یہ بتانا چاہتے ہیں کہ ایسی شخصیت میں ڈھل کر ہی اتنے بڑے مناصب پر فائز ہوا جاسکتا ہے، شعر دیکھیے:

مریمؑ از یک نسبتِ عیسیٰؑ عزیز
از سہ نسبت حضرتِ زہراؓ عزیز
نورِ چشمِ رحمۃؐ للعالمینؐ
آں امامِ اوّلین و آخرین
آں کہ جاں در پیکرِ خاکی دمید
روزگار تازہ آئیں آفرید
بانوے آں تاجدارِ ھَل اَتیٰ
مرتضیٰ مشکل کشا شیرِ خدا
پادشاہ و کلبۂ ایوانِ او
یک حُسام و یک زرہ سامانِ او
مادرِ آں مرکز پرکارِ عشق
مادر آں کارواں سالارِ عشق
آں یکے شمعِ شبستانِ حرم

حافظِ جمعیتِ خیرؑ الامم
تا نشیند آتشیں پیکار و کیں
پشتِ پا زد بر سرِ تاج و نگیں
واں دگر مولائے ابرارِ جہاں
قوّتِ بازوئے احرارِ جہاں
در نوائے زندگی سوز از حسینؓ
اہلِ حق حریّت آموز از حسینؓ(۵۱)

(مریمؑ ایک نسبت سے عزیز ہیں کہ آپ عیسیٰؑ کی والدہ تھیں لیکن سیّدہ زہراؓ تین نسبتوں سے عزیز ہیں۔ اوّل یہ کہ وہ امامِ اول و آخر رحمۃ اللعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھوں کا نُور تھیں۔ وہ جنھوں نے پیکرِ خاکی میں نئی رُوح پھونکی اور ایک ایسے دور کا آغاز کیا جس کے قانون اور ضابطے تازگی اور جدت رکھتے تھے۔ دوسری نسبت یہ کہ آپؓ، حضرت علی مرتضیٰؓ 'تاجدارِ ھَل اتیٰ' کی زوجہ محترمہ تھیں جو شیرِ خدا تھے، مشکل کشا تھے۔ ایک خلیفہ ہونے کے باوجود آپ نے اپنی زندگی تنگ و تاریک حجرے میں گزاری جہاں ایک تلوار اور زرہ ان کا کُل ساز و سامان تھا۔ تیسری نسبت یہ کہ آپ ان دو اشخاص کی والدہ تھیں جن میں سے ایک 'مرکزِ پرکارِ حق' تھے اور دوسرے کو قافلۂ عشقِ حق کی سپہ سالاری ملی۔ یعنی ایک امام حسنؓ جنھوں نے خیرالامم کی ملّت کے اتحاد کی خاطر حکمرانی کو ٹھکرا دیا تاکہ عداوت اور جنگ کی آگ بُجھ جائے۔ دوسرے امام حسینؓ جو دنیا بھر کے نیکوکاروں کے آقا تھے اور اہلِ حریت کی

قوت و طاقت ہیں۔ زندگی کے نغمے میں سوزِ حسینؓ ہی سے ہے
اور اہلِ حق حسینؓ ہی سے حریّت آشنا ہوئے ہیں۔)

آگے چل کر علامہ نسائے اسلام کو اس امر سے روشناس کراتے ہیں کہ ماؤں کے لیے اپنے فرزندوں کی تربیت کی روشن مثال سیدہؓ کی حیات میں پنہاں ہے اور یہ بات ذہن نشین رکھنی چاہیے کہ ماؤں کی پہچان بیٹوں کی سیرت و کردار سے ہوتی ہے:

سیرتِ فرزند ہا از اُمہّات
جوہرِ صدق و صفا از اُمہّات
مزرعِ تسلیم را حاصل بتولؓ
مادراں را اسوۂ کامل بتولؓ(۵۲)

(بیٹوں کی سیرتیں ماؤں کی آغوش میں تربیت پاتی ہیں۔ صدق و صفا کی خوبیاں ماؤں ہی کی تربیت کے نتیجے میں حاصل ہوتی ہیں۔ سیّدہ بتولؓ تسلیمیت اور رضامندی کی کھیتی کا حاصل تھیں اور ماؤں کے لیے ان کی ذات میں قابلِ تقلید نمونہ ہے۔)

بعدازاں وہ آپؓ کی سیرت کے اوصاف بیان کرتے ہیں جو یقیناً طبقۂ نسواں کی رہ نمائی کرتے ہیں۔ آپؓ محتاجوں کی دست گیری کرتیں، اپنی ضروریات دوسروں کے لیے قربان کر دیتیں، شوہر کی رضا میں راضی رہیں، صبر و رضا کا پیکر تھیں، چکی پیستیں مگر لبوں پر قرآن کی تلاوت جاری رہتی، ان کی زبان شکوے سے عاری تھی، نماز میں رقت سے آنسو بہاتیں جو اس قدر مقدس ہوتے کہ جبریل امیں زمین سے اٹھا کر شبنم کے مانند عرشِ بریں پر گرا دیتے:

بہرِ محتاجے دلش آں گونہ سوخت
با یہودے چادرِ خود را فروخت

نوری و ہم آتشی فرمانبرش
گم رضایش در رضاے شوہرش
آں ادب پروردۂ صبر و رضا
آسیا گردان و لب قرآں سرا
گریہ ہاے او ز بالیں بے نیاز
گوہر افشاندے بدامانِ نماز
اشکِ او برچید جبریل از زمیں
ہمچو شبنم ریخت بر عرشِ بریں(۵۳)

(وہ بتولؓ جن کا دل ایک ضرورت مند کے لیے اس قدر بھر آیا کہ اس کی مدد کی خاطر انھوں نے اپنی چادر ایک یہودی کے ہاتھ بیچ ڈالی۔ نوری ہوں یا ناری، آپ کی فرماں برداری میں تھے اور خود ان کی شوہر کے سامنے فرماں برداری کا یہ عام تھا کہ انھوں نے اپنی رضا شوہر کی رضا میں گم کر دی تھی۔ انھوں نے صبر و رضا کی ادب گاہ میں تربیت پائی تھی اور عالم یہ تھا کہ وہ چکی پیس رہی ہوتیں لیکن قرآن کی تلاوت ان کے لبوں سے جاری ہوتی۔ ان کے آنسو کبھی تکیے کی زینت نہ بنے بل کہ یہ آنسو موتیوں کی طرح حالتِ نماز ہی میں گرتے۔ جبریلؑ ان آنسوؤں کو زمین سے چُن کر لے جاتے اور شبنم کی طرح عرشِ بریں پر ڈال دیتے۔)

اقبال ایسی بلند مرتبت خاتون کو طبقۂ نسواں کے لیے سراپا تقلید بنانے کے خواہاں تھے تاکہ مسلم خواتین میں حوصلہ و ہمت، بہادری و جرأت، استغنا و عبادت اور تقدس و صفا کے عناصر پیدا ہو سکیں، چناں چہ ارمغانِ حجاز کی ایک دو بیتی میں 'دخترانِ

ملت' کو نصیحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

اگر پندے ز درویشے پذیری
ہزار اُمّت بمیرد، تو نہ میری
بتولےؓ باش و پنہاں شو ازیں عصر
کہ در آغوش شبیرےؓ بگیری(۵۴)

(تو اگر اس درویش (اقبال) کی نصیحت قبول کر لے تو ہزاروں ماؤں میں تجھے دوام حاصل ہو جائے گا۔ نصیحت یہ ہے کہ بتولؓ کی سی زندگی گزار اور اس زمانے کی نظروں سے پنہاں رہ تاکہ تیری آغوش میں شبیرؓ جیسے فرزند تربیت پائیں۔)

رموز بے خودی میں تعظیم و عقیدت کے پیرایے میں یہاں تک کہہ دیتے ہیں کہ مجھے صرف آئین، شریعت اور فرمان نبیؐ کا پاس ہے وگرنہ جی تو چاہتا ہے کہ ایسی بے مثل خاتون کی تُربت پاک کا طواف کروں اور اس کی خاک پر سجدہ کروں جس نے مسلم خواتین کے لیے اپنی زندگی میں روشن مثال قائم کر دی:

رشتۂ آئینِ حق زنجیر پاست
پاسِ فرمانِ جنابِ مصطفیٰؐ است
ورنہ گردِ تربتش گردیدمے
سجدہ ہا بر خاکِ او پاشیدمے(۵۵)

(دینِ حق کی زنجیر نے مجھے پابند کر رکھا ہے اور مجھے جناب مصطفیٰ ﷺ کے فرمان کا لحاظ ہے وگرنہ میں سیّدہ فاطمہؓ جیسی نیک فطرت ماں کی قبر کا طواف کرتا اور عقیدت سے ان کی تربت پر

سجدہ ریز ہو جاتا۔)

مسلم خواتین کے لیے دوسری روشن مثال اقبال نے تاریخِ اسلام سے شرف النسا بیگم کی دی ہے، جو مغلیہ دور میں پنجاب کے صوبے دار نواب عبدالصمد خاں کی دختر تھی اور اس نے ساری زندگی قرآن اور تلوار سے محبت کا ثبوت دیا۔ یہ وہ حریت پسند کردار ہے جس کی نمود علامہ نے **جاوید نامہ** میں کی ہے جہاں وہ مولانا روم کے ہم راہی میں سیرِ افلاک کے دوران جنت الفردوس میں قصرِ شرف النسا' سے متعارف ہوتے ہیں۔ اقبال (زندہ رود) وہاں دیکھتے ہیں کہ لعلِ ناب سے بنا ایک کاشانہ ہے جو آفتاب سے خراج لیتا ہے۔ اقبال اس کاخِ بلند کی بابت رومی سے استفسار کرتے ہیں کہ یہ کس کا قصر ہے؟ یوں رومی کی زبانی بیان کردہ اشعار سے اس عظیم تاریخی شخصیت کا تعارف حاصل ہوتا ہے کہ یہ شرف النسا کا ٹھکانہ ہے جس کے بام کے پرندے فرشتوں کے ہم نوا ہیں اور ہمارے بحر میں ایسا موتی اور کوئی نہ ہوگا، نہ ہی کسی ماں نے ایسی بیٹی جنم نہ دی ہو گی جس کے مزار سے لاہور کی خاک آسماں ٹھہری۔ وہ حاکمِ پنجاب عبدالصمد کی چشم و چراغ تھی اور ''سراپا ذوق وشوق و دردو داغ'' تھی۔ آگے چل کر وہ اس کردار کی وضاحت کرتے ہوئے واقعاتی انداز میں قرآن اور تلوار سے اس کی محبت یوں واضح کر گئے ہیں:

تا ز قرآں پاک می سوزد وجود
از تلاوت یک نفس فارغ نبود
در کمر تیغِ دو رُو قرآں بدست
تن بدن ہوش و حواس اللہ مست!(۵۶)

(یہ نیک سرشت عورت قرآن کی تلاوت سے لمحہ بھر غافل نہ ہوتی تاکہ اس کا وجود قرآن سے پاک ہو جائے۔ اس کی کمر میں تیز دھار تلوار بندھی رہتی اور ہاتھ میں قرآن ہوتا۔ اس کا تن بدن اور ہوش و حواس اللہ کی ذات میں مست رہتے۔)

حتیٰ کہ جب شرف النسا کا آخری وقت آ پہنچا، تب اُس نے مشتاقانہ انداز میں اپنی ماں سے کہا:

گفت اگر از رازِ من داری خبر
سوے ایں شمشیر و ایں قرآں نگر
ایں دو قوت حافظِ یک دیگر اند
کائناتِ زندگی را محور اند!
اندریں عالم کہ میرد ہر نفس
دخترت را ایں دو محرم بود و بس!
وقتِ رخصت با تو دارم ایں سخن
تیغ و قرآن را جدا ز من مسکن
دل بآں حرفے کہ می گویم بنہ
قبرِ من بے گنبد و قندیل بہ!
مومناں را تیغ با قرآں بس است
تربتِ ما را ہمیں ساماں بس است!(۵۷)

(اس نے کہا کہ اے ماں! اگر تو مجھے جانتی ہے تو اس تلوار اور قرآن کو دیکھ۔ یہ دونوں قوتیں ایک دوسرے کی حفاظت کرتی ہیں

اور زندگی کی کائنات کا محور ہیں۔ اس دنیا میں ہر کسی کو جہاں سے
کوچ کرنا ہے اور تیری بیٹی کے صرف یہی دو محرم تھے۔ دنیا سے
رخصت ہوتے ہوئے میں تجھ سے یہی درخواست کروں گی کہ
قرآن اور تلوار کو مجھ سے جدا مت کرنا۔ میری اس بات کو غور سے
سے سنو کہ میری قبر کو عالی شان گنبد اور شمعوں سے آراستہ کرنے
کے بجائے اس قرآن اور تلوار سے مزّین کرنا۔ اس لیے کہ
مومنوں کے لیے قرآن کے ساتھ تلوار کافی ہے اور یہی
ساز وسامان میری قبر کو بھی درکار ہے۔)

اقبال بڑی اثر انگیزی سے یہ واقعہ رقم کرنے کے بعد افسوس کے ساتھ لکھتے ہیں کہ ایک عرصے تک یہ قرآن وشمشیر اُس کی تربت میں محفوظ رہے اور اہلِ حق کو پیامِ زیست سے ہم کنار کرتے رہے لیکن جب مسلمانوں نے اس کی زندگی کو اپنے لیے مثال نہیں بنایا تو زمانے کی گردش نے بساط ہی الٹ دی:

مرقدش اندر جہانِ بے ثبات
اہلِ حق را داد پیغامِ حیات!
تا مسلماں کرد با خود آنچہ کرد
گردشِ دوراں بساطش در نورد
مردِ حق از غیرِ حق اندیشہ کرد
شیرِ مولا روبہی را پیشہ کرد!
از دلش تاب و تبِ سیماب رفت
خود بدانی آنچہ بر پنجاب رفت!

خالصہ شمشیر و قرآں را بُرد
اندراں کشور مسلمانی بمُرد(۵۸)

(اس جہان بے ثبات میں اس کا مرقد اہل حق کو زندگی کا پیغام دیتا ہے لیکن جب مسلمانوں نے قرآن اور تلوار دونوں سے قطع تعلق کرلیا تو گردشِ فلک نے ان کی بساط الٹ دی۔ مردِ حق، غیر حق سے خوف کھانے لگا۔ گویا شیر مولیٰ نے روباہی اختیار کرلی۔ تب اس کے دل سے پارے کی سی آب وتاب اور داخلی اضطراب رخصت ہوگیا۔ تُو اچھی طرح جانتا ہے کہ اسی پنجاب پر پھر کیا افتاد پڑی۔ اس خطے سے اسلام رخصت ہوگیا اور سکھ اس (شرف النسا) کی قبر سے قرآن اور تلوار لے اُڑے۔)

اقبال سمجھتے ہیں کہ طبقۂ نسواں کی نمائندہ یہ خاتون دیگر مسلم خواتین کو نہ صرف اپنی ذات میں ایک نمونہ پیش کرتی ہے بل کہ تربیتِ اولاد کے ضمن میں واضح رہ نمائی فراہم کرتی ہے۔ اقبال نے اپنے موقف کی تائید میں بعض اوقات ایسے مثالی نسائی کرداروں سے مدد لی ہے، جو ذہانت و فطانت کے ساتھ ساتھ جرأتِ رندانہ کی صفت سے متصف رہیں۔ یہاں **جاوید نامہ** ہی سے قرۃ العین طاہرہ بابیہ کا کردار پیش کیا جا سکتا ہے جو محمد علی شیرازی کے باب اللہ (باب من اللہ) کے دعوے سے متاثر ہوئی اور اپنے عزیز و اقارب کی شدید مخالفت کے باوصف اس کی معتقد ہوئی۔ بابیوں نے اس کے باپ کو قتل کرا دیا تو وہ فرار ہوکر باب کے پاس خراسان پہنچ گئی جس نے اسے 'قرۃ العین' کا لقب دیا۔ بالآخر باب کے قتل کے بعد اس نے بھی دو سال بعد اس جھوٹے نبی پر جان دے دی۔ اقبال کہنا یہ چاہ رہے ہیں کہ ایک عورت ہوکر اس میں اس قدر جرأتِ

رندانہ تھی۔ یوں اس بہ ظاہر منفی کردار سے (بالکل اسی طرح جیسے اقبال ابلیس کے کردار سے حرکت وحرارت کا سبق دیتے ہیں) علامہ نے مثبت راہِ عمل سمجھائی ہے۔ قرۃ العین طاہرہ سے انھوں نے 'فلک مشتری' میں ملاقات کرائی ہے اور 'ارواح جلیلہ حلاج و غالب وقرۃ العین طاہرہ کہ بہ نشیمن بہشتی نگر دیدند و بگردش جاوداں گرائیدند' کے زیرعنوان وہ 'نوائے طاہرہ' کے تحت اس سے منسوب ایک معروف غزل پر تضمین مرقوم کرتے ہیں جو سچے عاشق کے جذبات واحساسات کا احاطہ کرتی ہے، مقطع دیکھیے:

در دلِ خویش طاہرہ گشت و ندید جز ترا
صفحہ بہ صفحہ، لا بہ لا، پردہ بہ پردہ، توبہ تو!''(۵۹)

(طاہرہ نے اپنے دل کی کتاب پر نظر دوڑائی تو اسے ہر صفحے، ہر سطر پر اور ہر جگہ تیرا ہی نام نظر آیا۔)

بعدازاں اقبال اس کی شخصیت کے 'سوز و ساز' کا ذکر کرتے ہوئے یہ اشعار رقم کرتے ہیں جن سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس نسائی کردار کے دل کے ہنگاموں نے ان کے جذبات میں کیا ہلچل پیدا کر دی:

سوز و سازِ عاشقانِ درد مند
شور ہائے تازہ در جانم فگند
مشکلاتِ کہنہ سر بیروں زدند
باز بر اندیشہ ام شبخوں زدند!
قلزمِ فکرم سراپا اضطراب
ساحلش از زورِ طوفانے خراب!
گفت رومی ''وقت را از کف مدہ
اے کہ می خواہی کشودِ ہر گرہ!

چند در افکارِ خود باشی اسیر
ایں قیامت را بروں ریز از ضمیر!''(۶۰)

(ایسے دردمند عاشقوں کے سوز و ساز سے میری روح میں تازہ ہنگامے برپا ہوگئے ۔ پھر سے میرے ذہن میں مختلف سوال ابھرے اور میرے خیالات پر شب خون مارنے لگے۔ میرے خیالات کا سمندر سراپا اضطراب ہے اور یوں لگتا ہے جیسے اس کے ساحل کو میرے استفسارات کے طوفان نے برباد کر ڈالا ہے ۔ رومیؒ نے میری یہ حالت دیکھ کر کہا کہ یوں خیالات میں مت ڈوبا رہ اور وقت مت گنوا۔ اگر تو اپنی مشکلات دور کرنا چاہتا ہے تو اس قیامت کو اپنے دل سے نکال باہر کر۔ یعنی ارواحِ بزرگ کے سامنے اپنے سوالات پیش کر۔)

ایک اور نمایاں نسائی کردار جو اقبال کی عصری تاریخ (۱۹۱۲ء) سے متعلق ہے، فاطمہ بنت عبداللہ کا ہے جسے وہ بجا طور پر 'حورِ صحرائی اور 'آبروے ملت' قرار دیتے ہیں۔ فاطمہ وہ بارہ سال کی کم سِن بچی تھی جس نے جنگِ طرابلس میں غازیوں کو پانی پلاتے ہوئے جامِ شہادت نوش کیا۔ **بانگِ درا** میں اقبال اس کے شوقِ شہادت کو جسارت آفریں قرار دیتے ہیں اور اس کے بے تیغ و سپر راہِ خدا میں جہاد کرنے پر تعجب کا اظہار کرتے ہوئے گویا ہوتے ہیں:

یہ کلی بھی اس گلستانِ خزاں منظر میں تھی
ایسی چنگاری بھی یارب اپنی خاکستر میں تھی!(۶۱)

بعدازاں رجائیت آمیز اسلوب میں اس امر کا اظہار ملتا ہے کہ بہ ظاہر آنکھ فاطمہ کے غم میں شبنم افشاں ہے لیکن درحقیقت اس نالۂ ماتم میں نغمۂ عشرت پنہاں ہے اور میری آنکھ اس جرأت آفرینی کے پیشِ نظر اس کی تربت سے نئی نسل (بالخصوص خواتین) کے تازہ ہنگامے دیکھ رہی ہے، خطابیہ رنگ میں لکھتے ہیں:

ہے کوئی ہنگامہ تیری تربتِ خاموش میں
پل رہی ہے ایک قومِ تازہ اس آغوش میں
بے خبر ہوں گرچہ ان کی وسعتِ مقصد سے میں
آفرینش دیکھتا ہوں ان کی اس مرقد سے میں
تازہ انجم کا فضائے آسماں میں ہے ظہور
دیدۂ انساں سے نامحرم ہے جن کی موجِ نور
جو ابھی ابھرے ہیں ظلمت خانۂ ایام سے
جن کی ضو ناآشنا ہے قیدِ صبح و شام سے
جن کی تابانی میں اندازِ کہن بھی، نو بھی ہے
اور تیرے کوکبِ تقدیر کا پرتو بھی ہے(۶۲)

کلامِ اقبال میں مثالی نسائی کرداروں کی پیش کش میں خود والدۂ اقبال کا کردار خواتین کے لیے عمدہ نمونہ پیش کرتا ہے۔ بہ ظاہر 'والدہ مرحومہ کی یاد میں' ایک مرثیہ ہے لیکن حقیقت میں ایک مثالی ماں کے اوصاف اس سے مترشح ہیں جو یقیناً نسائے اسلام کے لیے باعثِ تقلید ہو سکتے ہیں۔ امام بی بی ایک عقل مند اور دین دار خاتون تھیں اور اقبال کے مطابق ان کے دل میں اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کا بیج انھوں نے ہی بویا۔ ساری زندگی اولاد کی بھرپور تربیت کی اور خاص طور پر جب اقبال یورپ میں

تھے تو وہ ان کی یاد میں آنسو بہاتیں اور ان کے خطوط کی منتظر رہتیں۔ اقبال تعلّی کے رنگ میں کہتے ہیں کہ یہ خاتون قابلِ مبارک باد تھیں کہ جن کے دامن میں ایک جانِ ناتواں نے نشوارتقا پایا اور وہ شخص جس کی زبان بات سے محرم نہ تھی اب ہر سُو اس کی شوخیِ گفتار کے چرچے ہیں۔ **بانگِ درا** میں شامل اس شہرۂ آفاق نظم: 'والدہ مرحومہ کی یاد میں' سے چند شعر ملاحظہ کریں جو اس عالی مرتبت خاتون کی صفات سے روشناس کراتے ہیں اور فی الاصل ان کی پیش کش سے اقبال کا مطمحِ نظر طبقۂ نسواں کو حقیقی نسائی اوصاف سے باخبر کرنا ہے:

حیرتی ہوں میں تری تصویر کے اعجاز کا
رخ بدل ڈالا ہے جس نے وقت کی پرواز کا
رفتہ و حاضر کو گویا پا بپا اس نے کیا
عہدِ طفلی سے مجھے پھر آشنا اس نے کیا
جب ترے دامن میں پلتی تھی وہ جانِ ناتواں
بات سے اچھی طرح محرم نہ تھی جس کی زباں
اور اب چرچے ہیں جس کی شوخیِ گفتار کے
بے بہا موتی ہیں جس کی چشمِ گوہر بار کے(۶۳)

کس کو اب ہوگا وطن میں آہ! میرا انتظار
کون میرا خط نہ آنے سے رہے گا بے قرار؟
خاکِ مرقد پر تری لے کر یہ فریاد آؤں گا
اب دعائے نیم شب میں کس کو میں یاد آؤں گا!

تربیت سے تیری میں انجم کا ہم قسمت ہوا
گھر مرے اجداد کا سرمایۂ عزت ہوا
دفترِ ہستی میں تھی زرّیں ورق تیری حیات
تھی سراپا دین و دنیا کا سبق تیری حیات
عمر بھر تیری محبت میری خدمت گر رہی
میں تری خدمت کے قابل جب ہوا، تو چل بسی
// // // // //
تخم جس کا تو ہماری کشتِ جاں میں بو گئی
شرکتِ غم سے وہ الفت اور محکم ہو گئی (۶۴)

اقبال نے اس شخصی مرثیے میں یہ باور کرانے کی کوشش کی ہے کہ علم کی سنجیدہ گفتاری ہو یا بڑھاپے کا شعور ہو، دنیوی اعزازات کی شوکت ہو یا پھر جوانی کا غرور___ انسان جب ان تمام اوج گاہوں سے اتر کر صحبتِ مادر میں آتا ہے تو محض 'طفلِ سادہ' رہ جاتا ہے۔ خاص طور پر ایسی مائیں لائقِ داد ہیں جن کی تربیت وصحبت بچوں کو دینی و دنیوی ہر دو میدانوں میں کامیابی و کامرانی سے ہم کنار کرتی ہے۔ اقبال ایسی ماں کی قدر و قیمت مرنے کے بعد اس دعا کی صورت میں یوں بتاتے ہیں:

یاد سے تیری دلِ درد آشنا معمور ہے
جیسے کعبے میں دعاؤں سے فضا معمور ہے
// // // // //
مثلِ ایوانِ سحر مرقد فروزاں ہو ترا
نور سے معمور یہ خاکی شبستاں ہو ترا
آسماں تیری لحد پر شبنم افشانی کرے
سبزۂ نو رستہ اس گھر کی نگہبانی کرے (۶۵)

ان مثالی خواتین کے تذکارِ جلیلہ کے ساتھ ساتھ جزوی طور پر بھی علامہ کو جہاں کہیں کوئی بے مثل نسائی کردار فعال دکھائی دیتا ہے، وہ اس کی مدح وتوصیف بیان کرتے ہیں۔ مکاتیبِ اقبال شاہد ہیں کہ اقبال نے بعض مقامات پر تاریخِ اسلام سے بعض خواتین کا ذکر بڑی مدحت وعقیدت کے ساتھ کیا ہے، مثلاً ضیا الدین برنی کے نام ۱۲/اپریل ۱۹۲۲ء کے ایک مکتوب میں جہاں آرا بیگم پر ان کی لکھی گئی سوانح عمری کی ستائش کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ: ''آپ نے جہاں آرا بیگم کی سوانح عمری بہت اچھی لکھی ہے۔ اس کی زندگی واقعی ایک نیک مسلم عورت کا نمونہ ہے.....'' (۶۶) اور بلاشبہہ ایسے بیانات اور گفت گوؤں سے اس امر کی تائید ہو جاتی ہے کہ اقبال کے ہاں یہ تمام مثالی عورتیں افرادِ ملت میں تربیت وتہذیب، مذہب و ثقافت، علم و ذہانت، تحرک و دیانت، جذبۂ حریت اور مقصدیت جیسے اوصافِ عالیہ پیدا کرنے کے محرک کے طور پر متعارف ہوئی ہیں اور وہ اس بات کے شدت سے قائل معلوم ہوتے ہیں کہ اگر طبقۂ نسواں کی اس طرح کی نمایندہ خواتین درجۂ کمال کو نہ چھو رہی ہوتیں تو آج ہرگز پوری آب وتاب کے ساتھ ان کے نام زندہ نہ ہوتے۔ اقبال سمجھتے ہیں کہ اگر حقوقِ نسواں کی پاس داری آزادیِ نسواں کے اصلی اور حقیقی مفہوم کے ساتھ کی جائے تو ہندوستان کی مسلم عورت اپنے حقوق کی رواجی وسماجی تعبیروں کو شرعی و آئینی سانچوں میں ڈھلتا ہوا دیکھ سکے گی۔ یوں افرادِ معاشرہ کے ساتھ ساتھ خود عورت کی بصیرت بھی حقوق و آزادیِ نسواں کے راز کو فاش کرنے میں اہم کردار ادا کر سکتی ہے۔

حوالے اور حواشی

(۱) مقالاتِ اقبال (مرتبہ) سید عبدالواحد معینی، لاہور: آئینۂ ادب، طبع دوم ۱۹۸۲ء،

ص۷۹۔

(۲) مشمولہ قومی زندگی اور ملّتِ بیضا پر ایک عمرانی نظر، لاہور: آئینہ ادب، طبع اول ۱۹۷۰ء، ص۱۰۱۔

(۳) ایضاً، ص۹۸، ۹۹۔

(۴) مشمولہ گفتارِ اقبال (مرتبہ) محمد رفیق افضل، لاہور: ادارہ تحقیقات پاکستان، دانش گاہ پنجاب، طبع اول ۱۹۶۹ء، ص۸۳، ۸۴۔

(۵) ایضاً، ص۸۲۔

(۶) ضربِ کلیم مشمولہ کلیاتِ اقبال (اردو)، لاہور: شیخ غلام علی اینڈ سنز ۱۹۷۲ء، ص۹۵۔

(۷) ایضاً، ص۹۲۔

(۸) ایضاً۔

(۹) ،، ص۹۵۔

(۱۰) رموز بے خودی مشمولہ کلیاتِ اقبال (فارسی)، لاہور: شیخ غلام علی اینڈ سنز، طبع ششم ۱۹۹۰ء، ص۱۵۰، ۱۵۱۔

(۱۱) ایضاً، ص۱۵۴، ۱۵۵۔

(۱۲) جاوید نامہ مشمولہ کلیاتِ اقبال (فارسی)، ص۱۱۱۔

(۱۳) دیکھیے: قومی زندگی اور ملت بیضا پر ایک عمرانی نظر، ص۴۷۔

(۱۴) مشمولہ گفتارِ اقبال (مرتبہ) محمد رفیق افضل، ص۷۹۔

(۱۵) ایضاً، ص۲۲۶۔

(۱۶) ایضاً۔

(۱۷) ضربِ کلیم مشمولہ کلیاتِ اقبال (اردو)، ص۹۴۔

(۱۸) ایضاً، ص۹۳۔

(۱۹) بانگِ درا مشمولہ کلیاتِ اقبال (اردو)، ص۲۸۳۔

(۲۰) ایضاً، ص۲۸۴۔

(۲۱) رموزِ بے خودی مشمولہ کلیاتِ اقبال (فارسی)، ص۱۵۴۔

(۲۲) ارمغانِ حجاز مشمولہ کلیاتِ اقبال (فارسی)، ص۹۲۔

(۲۳) ایضاً۔

(۲۴) ایضاً، ص۹۳۔

(۲۵) قومی زندگی اور ملتِ بیضا پر ایک عمرانی نظر، ص۴۵، ۴۶۔

(۲۶) ایضاً، ص۱۰۱، ۱۰۳۔

(۲۷) روزنامہ انقلاب میں ۲۱ اگست ۱۹۲۸ء کی مطبوعہ تحریر، بہ حوالہ گفتارِ اقبال، ص۶۷، ۶۸۔

(۲۸) روزگارِ فقیر، لاہور: آتش فشاں پبلی کیشنز ۱۹۸۸ء، ج۱، ص۸۸۔

(۲۹) مکتوب بہ تاریخ ۱۱/اپریل ۱۹۱۳ء مشمولہ اقبالنامہ، لاہور: اقبال اکادمی پاکستان ۲۰۰۵ء، ص۵۵۱۔

(۳۰) بانگِ درا مشمولہ کلیاتِ اقبال (اردو)، ص۲۸۳۔

(۳۱) ضربِ کلیم مشمولہ کلیاتِ اقبال (اردو)، ص۹۶۔

(۳۲) دیکھیے: گفتارِ اقبال (مرتبہ) محمد رفیق افضل، ص۸۴۔

(۳۳) ایضاً، ص۷۷۔

(۳۴) ،، ص۸۱۔

(۳۵) ؍؍،ص۸۴۔

(۳۶) پہلی مرتبہ تقریر میں اسی طرح چھپا جب کہ اقبال نے اس کی اشاعت کے فوراً بعد یہ وضاحت کی کہ نوٹ لکھنے والے صاحب کے حافظے سے غالباً اتر گیا، میں نے فقہ اسلامی کے تحت یہ کہا تھا کہ بیوی، بچوں کو دودھ پلانے کی اجرت طلب کر سکتی ہے، نہ کہ بچہ جننے کی، دیکھیے: **گفتارِ اقبال**، ص۲۷۲۔ (۲۰فروری ۱۹۲۹ء کو **انقلاب** کے ایڈیٹر کے نام اقبال کی توضیح)۔

(۳۷) ایضاً،ص۸۱۔

(۳۸) ؍؍،ص۸۳۔

(۳۹) **علم الاقتصاد** (باب: آبادی)، کراچی: اقبال اکادمی پاکستان ۱۹۶۱ء،ص۱۹۷۔

(۴۰) دیکھیے مضمون: 'قومی زندگی' مشمولہ **قومی زندگی اور ملتِ بیضا پر ایک عمرانی نظر**،ص۴۶۔

(۴۱) تفصیل کے لیے دیکھیے: **گفتارِ اقبال**،ص۷۹،۸۰۔

(۴۲) ایضاً،ص۸۰۔

(۴۳) ؍؍،ص۷۸۔

(۴۴) ؍؍،ص۹۶۔

(۴۵) ؍؍،ص۹۵ اور ۹۶۔

(۴۶) دیکھیے مضمون: 'قومی زندگی' مشمولہ **قومی زندگی اور ملتِ بیضا پر ایک عمرانی نظر**،ص۴۸،۴۹۔

(۴۷) ملاحظہ کیجیے: **تشکیلِ جدید الٰہیات اسلامیہ** (مترجمہ) سید نذیر نیازی، لاہور: بزمِ اقبال، طبع پنجم ۲۰۰۰ء،ص۲۴۵۔

(۴۸) **رموزِ بے خودی** مشمولہ **کلیاتِ اقبال** (فارسی)،ص۱۴۹،۱۵۰۔

(۴۹) دیکھیے: **گفتارِ اقبال** (مرتبہ) محمد رفیق افضل،ص۸۳۔

(۵۰) **رموزِ بے خودی** مشمولہ **کلیاتِ اقبال** (فارسی)،ص۱۵۵۔

(۵۱) ایضاً،ص۱۵۲،۱۵۳۔

(۵۲) ؍؍،ص۱۵۳۔

(۵۳) ایضاً۔

(۵۴) **ارمغانِ حجاز** مشمولہ **کلیاتِ اقبال** (فارسی)،ص۹۴۔

(۵۵) **رموزِ بے خودی** مشمولہ **کلیاتِ اقبال** (فارسی)،ص۱۵۳۔

(۵۶) **جاوید نامہ** مشمولہ **کلیاتِ اقبال** (فارسی)،ص۱۵۶۔

(۵۷) ایضاً،ص۱۵۶،۱۵۷۔

(۵۸) ؍؍،ص۱۵۷۔

(۵۹) ؍؍،ص۱۱۹۔

(۶۰) ایضاً۔

(۶۱) **بانگِ درا** مشمولہ **کلیاتِ اقبال** (اردو)،ص۲۱۴۔

(۶۲) ایضاً،ص۲۱۴،۲۱۵۔

(۶۳) ؍؍،ص۲۲۷،۲۲۸۔

(۶۴) ؍؍،ص۲۲۹۔

(۶۵) ؍؍،ص۲۳۶۔

(۶۶) مشمولہ **انوارِ اقبال** (مرتبہ) بشیر احمد ڈار، کراچی: اقبال اکادمی پاکستان، طبع اول ۱۹۶۷ء،ص۱۴۶۔

کتابیات

بشیر احمد ڈار: **انوارِ اقبال**، کراچی: اقبال اکادمی پاکستان، طبع اول، ۱۹۶۷ء

صابر کلوروی، ڈاکٹر (مرتب): **کلّیات باقیات شعر اقبال**، لاہور: اقبال اکادمی پاکستان، طبع اول، ۲۰۰۴ء

عبدالواحد معینی، سیّد (مرتب): **مقالاتِ اقبال**، لاہور: آئینہ ادب، طبع دوم، ۱۹۸۲ء

عطاءاللہ، شیخ: **اقبالنامہ** (مرتبہ) مختار مسعود، لاہور: اقبال اکادمی پاکستان، ۲۰۰۵ء

عطیہ فیضی: **اقبال**، لاہور: آئینہ ادب، ۱۹۷۵ء

فقیر، سیّد وحید الدین: **روزگارِ فقیر** (ج ۱)، لاہور: آتش فشاں پبلی کیشنز، ۱۹۸۸ء

محمد اقبال، ڈاکٹر علاّمہ: **تشکیل جدید الٰہیات اسلامیہ** (مترجمہ) سیّد نذیر نیازی، لاہور: بزمِ اقبال، طبع پنجم، ۲۰۰۰ء

: **علم الاقتصاد**، کراچی: اقبال اکادمی، پاکستان، ۱۹۶۱ء

: **کلیاتِ اقبال (اردو)**، لاہور: شیخ غلام علی اینڈ سنز، طبع ششم، ۱۹۷۲ء

: **کلیاتِ اقبال (فارسی)**، لاہور: شیخ غلام اینڈ سنز، ۱۹۹۰ء

محمد رفیق افضل: **گفتار اقبال**، لاہور: ادارہ تحقیقات، دانش گاہ پنجاب، طبع اول، ۱۹۶۹ء

محمد عبداللہ قریشی (مرتب): **قومی زندگی اور ملّتِ بیضا ایک عمرانی نظر** (مترجمہ) مولانا ظفر علی خاں، لاہور: آئینہ ادب، طبع اول، ۱۹۷۰ء

مظفر حسین برنی، سیّد (مرتب): **کلیاتِ مکاتیب اقبال** (ج ۱)، لاہور: ترتیب پبلشرز، س ن